# اسلام اور برٹش لاء



مُصنّفہ
شیخ الاسلام مولانا ابو الوفا ثناء اللہ مرحوم امرتسری



مکتبہ ثنائیہ سرگودھا

فروری ۱۹۵۶

# اسلام اور برٹش لاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

## التماس ناشر

پیش نظر کتاب اسلام اور برٹش لاء ۱۹۰۱ء یعنی آج سے پورے ۸۴ سال قبل شیخ الاسلام حضرت مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کی۔ یہ وہ وقت تھا جبکہ ہندوستان اپنی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے زخموں کے مندمل ہونے پر از سر نو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی تیاری کر رہا تھا۔ کانگریس جو بعد میں آزادی ملک کی سب سے بڑی علمبردار جماعت بن گئی۔ اس وقت صرف ابتدائی تنظیم میں مصروف تھی۔ اور اس کے اکابرین انگریز سے مکمل تعاون کے بدلہ میں محض چند مراعات کے حصول کو ہی اپنا مطمح نظر بنائے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کی تو اپنی نہ کوئی تنظیم اور نہ آواز تھی۔ تمام ہندوستان پر انگریز اپنی پوری قوت سے مسلط تھا۔ قانون سازی کے تمام اختیارات صرف گورنر جنرل کے ہاتھ میں تھے۔ گو انڈیا کونسل ایکٹ ۱۸۶۱ کے تحت ایک لیجسلیٹو کونسل کا قیام ظہور میں آچکا تھا۔ لیکن آئین سازی کے حقیقی اختیارات فرد واحد یعنی گورنر جنرل کے پاس ہی تھے۔ ان حالات میں حضرت مولانا مرحوم نے یہ کتاب لکھ کر جہاں رائج الوقت قوانین کی خامیوں اور کوتاہیوں پر انگشت نمائی کی ہے وہاں اس کے ساتھ ہی ساتھ اسلامی قوانین سے ان کا موازنہ کر کے شرعی قوانین کی برتری اور فضیلت ظاہر کی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کیا کہ آجکل کی متمدن دنیا تہذیب و تمدن کی انتہا پر ترقی کر جانے کے باوصف بھی اسلام کے ان قوانین سے عمدہ تو کجا مساوی بھی نہیں بنا سکی۔ جو اسلام کے بانی خدا کے سچے رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

نے باوجود ظاہری بے علمی اور عرب جیسے جنگلی ملک کی بودوباش کے تبلات تھے جن سے عرب جیسے غارت گر ملک میں ایسا امن ہوا کہ اس وقت دنیا میں عنقا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مولانا مرحوم نے حکومت وقت سے اپیل کی کہ وہ ان قوانین کو اپنائے اور ملک میں رائج کرکے معدلت گستری کا ثبوت دے۔ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ مولانا مرحوم کی اس سعی کا کوئی خاطر خواہ ردعمل بھی تھا یا نہیں۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ایک غیر مسلم بدیشی طاقت سے جو اپنے اقتدار کے نشہ میں چور، عوام پر جابرانہ قوانین کے تحت حکومت چلا رہی ہو۔ ایسی تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی توقع کرنا بھی بہت بڑی جرأت ہے۔

مگر آج ۴۰ سال بعد جب ہم اس کتاب کو ملکی مفاد کے پیش نظر شائع کر رہے ہیں تو حالات اس قدر مختلف ہیں جن کا تصور بھی مصنف کے ذہن میں نہ ہوگا۔

مذہب کے نام پر ملک کی تقسیم کا مطالبہ کیا گیا۔ اور اسلامی معاشرت، تہذیب اور تمدن کی حفاظت کی خاطر مسلمان عوام نے اس مطالبہ کی نہ صرف تائید کی بلکہ اپنے اتحاد یک جہتی اور قربانی کی بدولت دنیا کی سب سے بڑی اسلامی مملکت پاکستان کے قیام میں کامیاب ہوئے آٹھ سال سے اس نئی مملکت کے لئے اسلامی آئین کی تیاری کی جدوجہد ہو رہی ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ہمارے اکابرین صدق دل سے اس چیز کے متمنی ہیں کہ وہ عوام الناس کے سامنے اپنے وعدوں کے مطابق ایک ایسا اسلامی آئین پیش کریں جو نہ صرف ہمارے ملکی مسائل کا بہترین حل ہو بلکہ تمام متمدن دنیا کے سامنے اسلام کا صحیح نقشہ اور تخیل پیش کر سکے

مولانا مرحوم کی یہ کتاب ہم اس اعتماد سے شائع کر رہے ہیں کہ یہ نہ صرف ہمارے معزز ممبران دستور یہ کے لئے صحیح راستہ کی نشاندہی کرتی ہے بلکہ اسلامی قوانین کے متعلق معترضین کے غلط اعتراضات کا ایک مسکت جواب بھی پیش کرتی ہیں۔ کتاب ہذا اپنے موضوع کے لحاظ سے نہایت مختصر ہے اور بیشک اس کی تفصیلات کیلئے بہت ضخیم کتب درکار ہیں لیکن اپنے نقطہ نظر کو مختصر الفاظ میں پیش کرنے کا جو ملکہ مولانا مرحوم کو حاصل تھا وہ صرف انہی کا حصہ ہے اس کتاب میں آپ نے بیشک ایک دریا کو کوزہ میں بند کر رکھا ہے یہ کتاب تین ابواب میں تقسیم ہے پہلا باب جوڈیشل یعنی تعزیرات،

دوسرا ضابطہ دیوانی، تیسرا مالگذاری کے متعلق ہے اور خاتمہ پر فلاح رعیت کا مختصر سا ذکر۔

ہم یہ رسالہ اکابرین ملک اور معزز اراکین دستوریہ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ اگر وہ اس کے مندرجات کو امور آئین سازی میں اپنے پیش نظر رکھیں تو یقیناً یہ رسالہ ان کیلئے اپنے فرائض باحسن طریق سرانجام دینے میں معاون و مددگار ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ عوام کے لئے اس کا مطالعہ اسلامی قانون کے متعلق ہر قسم کی غلط فہمیوں کا ازالہ کرتا ہے۔

ناشرین



# تمہید ضروری قابل ملاحظہ

دنیا کی مختلف الطبائع آبادی کا انتظام صانع عالم نے جس طرح کیا ہے عقل حیران ہے ان کی پرورش کا انتظام ہے تو عجیب ہے اُن کی بود و باش کا طریق ہے تو عجیب تر پھر باہمی ایک دوسرے کی قدرتی ماتحتی ہے تو سب سے تعجب انگیز ہاتھی۔ گھوڑا اونٹ وغیرہ جیسے شاہ زور حیوانوں کو کمزور انسان کے ماتحت بنایا ہے۔ مجال نہیں کہ اس کے حکم کے بغیر سر بھی ہلا سکیں۔ حالانکہ طاقت اور قوت کا مقابلہ اگر کیا جاوے۔ تو کوئی نسبت ہی نہ ملے۔ فَسُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ۔

اس قدرتی انتظام کے بعد ایک مرتبہ اور باقی تھا اگر اس کا انتظام مناسب نہ ہوتا تو یہ سب انتظام کسی کام بھی نہ آتا۔ وہ انتظام بنی آدم کا ہے۔ کون نہیں جانتا کہ انسانوں کی طبائع میں جو اختلاف ہے۔ اس کے مقابلہ پر زمین و آسمان کی دوری کچھ نسبت ہی نہیں رکھتی ایک کی طبیعت سراسر خداترس، رحمدل حق شناس ہے تو دوسرا نہایت سخت دل ظلم کیش بد باطن۔ ناخداترس، مال مردم خور، مکار، عیار، پھر ان دونوں کے

ؔ اللہ کی ذات پاک ہے جس نے ایسے شہ زور حیوانوں کو ہمارے تابع کر دیا ورنہ ہم تو ان کے نزدیک بھی نہ جا سکتے تھے (قرآن)

درمیان مراتب بے شمار اس اختلاف طبایع کے نتائج بدیہی۔ ایک سے دوسرے پر ظلم و زیادتی کا ہونا۔ ایذا دینا۔ اپنے فائدے کو دوسرے کا نقصان کرنا یا اس کے نقصان کی پرواہ نہ کرنا بلکہ قتل و غارت تک بھی نوبت کا پہنچنا۔ غرض ہر طرح سے امن میں خلل کا ہونا۔ انہیں مفاسد کے بند کرنے کو دنیا کے حقیقی حاکم لَا شَرِیْكَ لَہٗ نے یہ انتظام کیا کہ بنی آدم ہی میں سے بعض کو حاکم اور بعض کو محکوم بنایا۔ کَمَا قَالَ عزّ مَنْ قَائِلٍ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ ۔ چونکہ اس انتظام میں حاکم کو اپنی رعیت میں مادۂ انصاف۔ ظالم کی سرکوبی اور مظلوم کی حمایت۔ نیز واسطے قائم رکھنے امن کے کسی قانون اور دستور العمل کی حاجت تھی۔ اس لئے اس نے محض اپنی مہربانی سے وہ قانون بھی خود ہی اپنے مقرب بندوں کی معرفت ان کو بتا دئے جن پر عمل کرنے سے جیسا کہ اس علام الغیوب کے علم میں تھا فائدہ اور امن ہوا۔ مگر بنی آدم کی جدت پسند طبائع نے اس علام الغیوب کے بتائے ہوئے قانون کو کافی نہ جانکر اس قسم کے کم کیفیت میں ان سے مختلف قوانین وضع کئے۔ لیکن جس طرح قدرتی چیز سے مصنوعی چیز کا مقابلہ محال ہے اسی طرح ان کے قوانین کی الہامی قوانین سے جو علام الغیوب کے ہاں سے بذریعہ خاص بندوں کے دنیا میں پہنچتے رہے ہیں۔ مساوات غیر ممکن چنانچہ اس رسالہ میں اس امر پر بحث کی جائے گی۔ یعنے الہامی اور مصنوعی قانون میں امتیاز اور فرق دکھایا جاویگا۔

واضح رہے کہ الہامی قانون سے میری مراد **اسلامی قانون** ہے جو ہم مسلمانوں کے پاس بذریعہ حضرت **محمد رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم کے پہنچا ہے **قرآن** مجید اور **حدیث** شریف۔

---

لہ اگر خدا بعض لوگوں کو جو ظلم اٹھاتے ہیں دوسرے بعض سے تباہ اور برباد نہ کرے تو ظالموں کے ظلم سے تمام زمین خراب اور برباد ہو جاتے۔ (قرآن)

**واضح** رہے کہ ہم اس مقابلے میں صرف قرآن مجید و حدیث شریف کو پیش کریں گے کسی سلطنت یا ریاست کے دستورالعمل کی پرواہ نہیں۔ ہندی ہو یا افغانی۔ ترکی ہو یا ایرانی۔

اور مصنوعی قانون سے مراد ہماری **برٹش لاء** یعنی انگریزی قوانین مروجہ ہندستان میں جو وقتاً فوقتاً مختلف کونسلوں میں پاس ہو کر ہندوستان میں نافذ ہوتے ہیں۔

# باب اوّل فوجداری

## مقدمہ قتل

**دفعہ ۱۔** قتل دو قسم ہے:۔

- قتل عمد[1]
- قتل خطا[2]

چنانچہ دونوں کی بابت اسلامی قانون میں الگ الگ حکم ہیں۔

قتل عمد کی بابت قصاص[3] یعنی خون کے بدلے خون ہے مگر نہ ایسا کہ والیانِ مقتول اس میں بے بس ہوں بلکہ ذی اختیار کہ اگر چاہیں تو اس کے عوض دیت (یعنی عوضی مالی) لیکر چھوڑ دیں یا بالکل ہی معاف کر دیں۔ تینوں صورتوں میں وارثان مقتول کو اختیار ہے۔ ہاں قصاص کی ترغیب فرمائی ہے اور آئندہ کو انسداد[4] ہونا اس کا فائدہ بتلایا گیا ہے۔

---

[1] قتل عمد اس کو کہتے ہیں جسمیں قصداً کسی ایسی چیز سے خون کیا جائے جس سے عادتاً آدمی مرجاتا ہو۔

[2] اور خطا میں قصد نہیں ہوتا۔

[3] كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۔ (قرآن البقرع ۲۲)

[4] وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (قرآن البقرہ ۲۲)

قتل خطاء میں دیت[16] (عوض مالی یعنی خون بہا) آجکل کے حساب سے تخمیناً[17] تین ہزار روپیہ۔ مگر نہ ایسا کہ اس سے کم نہ ہو سکے۔ بلکہ اس سے زائد نہیں اور کم کرنے کا اختیار فریقین کو ہے۔ خواہ وارثانِ مقتول معاف بھی کر دیں۔

قتل عمد کی نسبت برٹش لاء (گورنمنٹ کا قانون) یہ ہے:۔

"جو کوئی شخص قتل عمد کا مرتکب ہو۔ اس کو سزائے موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔"

(مجموعہ تعزیرات ہند دفعہ ۳۰۲)

قتل خطا کی بابت یہ حکم ہے:۔

جو کوئی شخص ایسے قتل انسان مستلزم کا مرتکب ہو جو قتل عمد کی حد کو نہ پہنچتا ہو۔ تو اس شخص کو حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی جائے گی۔ یا دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی۔ جسکی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا (دفعہ ۳۰۴)

اب غور طلب بات یہ ہے کہ کسی انسان کے قتل ہونے سے سزا کیوں ملتی ہے؟ اس لئے کہ ایک تو وارثانِ مقتول کا آدمی ضائع ہوتا ہے جس سے ان کا نقصان ہوا۔ دوئم سرکاری امن میں جس کے قائم رکھنے کا سرکار نے حکم دیا تھا۔ اس سے خلل آیا لیکن ہم تمہید اس تبلا آئے ہیں کہ حاکموں کی اور قانون کی ضرورت محض اس لئے ہے کہ مخلوق خدا ایک دوسرے کی حق تلفی یا نقصان رسانی یا ایذا دہی نہ کریں پس سرکاری جرم بھی اگر ہے تو

---

[16] وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَن يَصَّدَّقُوا (قرآن النساء ع ۱۳)

[17] اصل میں دیت سو اونٹ مقرر ہے جن کی قیمت مختلف ازمنہ میں آٹھ ہزار درم سے بارہ ہزار تک ہوتی رہی تھی۔

محض اسی لحاظ سے ہے کہ اس نے وارثان[1] مقتول کو نقصان پہنچایا جس سے سرکار نے اس کو منع کیا تھا۔ ورنہ اس سے زائد سرکار کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ پس بلحاظ نقصانِ وارثان مقتول اسلامی قانون گورنمنٹ کے قانون سے افضل اور انسب ہے۔ کیونکہ اسلامی قانون میں وارث مقتول کی خاطرداری اور دلجوئی کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چاہے اپنا دلی جوش (قتل عمد میں) قاتل کو قتل کر کے ٹھنڈا کرے۔ یا کچھ عوض لے کر چھوڑ دے یا بالکل ہی معاف کر دے۔ کون اس امر سے انکاری ہے کہ تینوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں سراسر مظلوم کی حسب دلخواہ حمایت ہے۔ اور یہ تینوں صورتیں ایسی ہیں کہ ان میں سے ایک نہ ہونے سے بعض دفعہ اس کی حسب دلخواہ حمایت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً ایک شخص ضعیف العمر یا کوئی بیوہ عورت ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں یا ایک اپنا بیٹا ہے اور ایک بھائی کا۔ اتفاقاً دونوں لڑکوں میں سخت کلامی سے قتل و قتال تک نوبت پہنچی۔ تو گورنمنٹ کے قانون نے اس بیچارے بوڑھے عمر رسیدہ یا اس بیوہ ستم کشیدہ کی کیا حمایت ہوئی کہ اس کے دوسرے بیٹے یا بھتیجے کو بھی پھانسی یا حبس دوام بعبور دریائے شور کیا گیا۔ بخلاف اس کے اسلامی قانون میں اس کی بالکل حمایت ہے کیونکہ اسے اختیار ہے کہ دوسرے بیٹے کو قتل عمد کی صورت میں قتل کرا دے۔ یا اپنی ضرورت کے مطابق معاف کر کے اسی کے ساتھ بقیہ زندگی بسر کرے اور اگر قتل یا حبس دوام ہی ضرور ہوتا تو ایک بیٹا تو اس کا آپس میں لڑنے سے قتل ہوا تھا دوسرا اس کے عوض سرکار نے قتل کر کے اس کے زخموں پہ نمک چھڑکا۔ اس کی آنکھوں کی روشنی تو گئی تھی سرکاری قانون نے گویا اس کی لکڑی بھی جس کے سہارے اس نے چلنا تھا۔ چھین لی۔ بوڑھے عمر رسیدہ یا بیوہ ہی پر کیا منحصر ہے۔ ہمیشہ ایسے واقعات ہر ایک قتل میں پیش آتے ہیں کہ وارثان مقتول قاتل کا قتل ہونا بہت ہی کم چاہتے ہیں یا بعض دفعہ ان کو مال کی حاجت ہوتی ہے جو معنوی طور پر مقتول کا نائب ہو سکے یا آپس کے تعلقات، دوستی، رشتہ وغیرہ اس امر کے مقتضی ہوتے ہیں کہ قاتل سے قومی طریق پر معمولی

[1] اگر مقتول کا کوئی وارث نہ ہو تو اس کی وارث سرکار ہے۔

تو یہ تائب کرا کر چھوڑ دیا جائے۔ ایسے واقعات اور ضروریات کی مثال واقعی تبلانے کی بھی حاجت نہیں۔ ہر ایک شخص اس کی ضرورت کو سمجھ سکتا ہے۔ بس بلحاظ وارثان مقتول و مقتضائے انصاف اسلامی قانون برٹش لاء سے ہر طرح افضل اور مکمل ہے۔

بعض لوگ سادہ لوحی سے اسلامی قانون پر اعتراض یا سوال کیا کرتے ہیں کہ عوض مالی کے خیال پر امیر آدمی جس کا چاہیں گے خون کرا دیں گے۔ اور دیت بھر کر چھوٹ جائیں گے مگر یہ سوال اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ دیت دے کر چھوٹ جانا قاتل کے اختیار میں ہو لیکن جس صورت میں سب اختیار وارثان مقتول کے ہاتھ میں ہے تو جس طرح وہ چاہینگے عمل کرینگے چاہے قاتل کو قتل ہی کرائیں یا دیت لیں یا بالکل معاف ہی کر دیں تو اس اختیار کے ہوتے ہوئے یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔ فافہم

## ضرر شدید

**دفعہ ۲** ۔ ضرر شدید سے مراد جسمانی تکالیف، نقصان اعضا وغیرہ ہے جسکی بابت اسلامی قانون میں مثل قتل کے حکم ہے۔[۱] یعنے مظلوم کو اختیار ہے خواہ ظالم سے اسی کی مثل بدلہ لے۔ دانت کے بدلے دانت توڑ دے۔ کان کے بدلے کان کتر دے۔ آنکھ کے عوض آنکھ پھوڑ دے۔ انگلی کے بدلے انگلی توڑ دے۔ غرض جس قسم کی تکلیف اس کو پہنچے ظالم کو پہنچا سکتا ہے مگر ساتھ ہی اس کے عوض مالی بھی لے سکتا ہے جس کی تفصیل یوں ہے کہ ہر زخم نمایاں پر تخمیناً مبلغ ایک سو پچاس روپیہ اور ایک انگلی یا کسی انگلی جتنے جوڑ کٹ جانے پر مبلغ تین سو روپیہ عوض ہوگا لیکن مظلوم کو کم

---

[۱] اِنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (سورۃ المائدہ ۶ ع ۷)

[۲] حدیثوں میں دیت کا اندازہ اکثر اونٹوں سے آتا ہے۔ جان کی کامل دیت سو اونٹ ہیں۔ ہر جوڑ کی بابت دس اونٹ۔ زخم شدید کی بابت پانچ لیکن چونکہ ایک معاملے میں بجائے سو اونٹ کے بارہ ہزار درہم تخمیناً

باقی صفحہ

کرنے یا بالکل ہی معاف کرنیکا اختیار ہے۔

**گورنمنٹ** کا قانون یہ ہے:۔

"جو کوئی شخص بلا اشتعال" جینے کسی دوسرے شخص کے بالارادہ" ضرر پہنچائے تو شخص مذکور کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد ایک برس تک ہو سکتی ہے یا جرمانے کی سزا جس کی مقدار مبلغ ایک ہزار روپیہ تک ہو سکتی ہے یا دونوں قسم کی سزائیں دی جائیں گی۔"

(دفعہ ۳۲۳)

اس **دفعہ** میں بھی وہی نقص ہے جو دفعہ سابق میں ہے یعنی مظلوم کے حسب منشا اس کو اختیار نہیں دیا گیا کہ جس طرح چاہے کرے۔ بعض خفیف خفیف صورتوں میں راضی نامہ کا اختیار اگر ہے۔ تو اول تو عدالت کی منظوری اور اجازت سے ہے۔ دوئم عوض مالی کی پھر بھی اجازت نہیں۔ حالانکہ ہم پہلے ثابت کر آئے ہیں کہ عوض مالی مظلوم کو دینا قرین انصاف ہے کیونکہ سرکار اس کی محافظ ہے اور اس داروگیر سے جو سرکار کی طرف سے ظالم پر کی جا رہی ہے محض اس کی حمایت منظور ہے ورنہ ظالم کچھ سرکار سے باغی نہیں۔ ضرر شدید کی صورت میں تو اس اصول کا بہت ہی لحاظ چاہیئے تھا کیونکہ اسمیں گورنمنٹ مستغیث نہیں ہوتی بلکہ مظلوم ہی استغاثہ کرتا ہے۔ تو سرکار اس کی حمائت کو کھڑی ہوتی ہے اور اگر مظلوم استغاثہ نہ کرے تو سرکار بھی دخل نہیں دیتی پس جب اسی کی حمایت منظور ہے تو پھر اس کے حسب منشا عوض مالی یا بالکل معافی یا اسی قسم کی ضرب شدید لگانے کی اجازت کیوں نہ ہو جس سے اس کے دل کو کامل راحت پہنچے،

(بقیہ حاشیہ ص۸) تین ہزار روپیہ مروجہ حال تک آیا ہے، اسی حساب سے ہم نے بغرض توضیح مطلب بجائے اونٹوں کے مبلغات لکھے ہیں۔ یہ سب روایتیں ترمذی کے ابواب الدیات میں موجود ہیں۔

[1] یہ قید دفعہ ۳۴۴ سے لی گئی ہے۔

[2] جن صورتوں میں گورنمنٹ مدعی ہوتی ہے۔ انہیں یہ وجہ نہ سہی باقی تو ہیں۔ منہ

اور ظالم کو بھی اس کی دست نگری کرنے سے قدرے عافیت معلوم ہو۔ بھلا اگر کسی محنتی آدمی کا ہاتھ یا ہاتھ پاؤں کی کوئی انگلی کسی نے کاٹ ڈالی جس سے وہ ہمیشہ کے لئے ناکارہ ہوگیا اور بجائے عزت سے گذارہ کرنے کے در در بھیک مانگنے لگا۔ نہ صرف اکیلا بلکہ جس قدر اس کے عیال میں نفوس ہوں گے سب پر یہی آفت آئے گی۔ تو ایسی صورت میں مجرم کو چند ماہ نہیں چاہے چند سال بھی قید کیا جائے۔ اس مظلوم کو کیا فائدہ ہوا جو اس کے ظلم سے تمام عمر کے لئے دوسروں کا دستِ نگر ہوگیا۔

علاوہ اس کے یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا۔ جو گورنمنٹ کے قانون میں قید یا جرمانہ کی حد اور مقدار معین نہیں کی گئی۔ بلکہ عدالت کے اختیار میں رکھی گئی ہے۔ اور یہ اختیار بھی ایک حد تک مضر ہے۔ کیونکہ حاکم کی طبیعت کی قدرتی نرمی یا سختی سے اس میں بسا اوقات بجائے انتظام اور انتقام کے معاملہ برعکس ہونیکا اندیشہ ہے ممکن ہے بعض مجرموں کو معمولی سزا سے وہ عبرت حاصل ہو سکے۔ جو دوسروں کو سخت سے سخت سزا سے نہ ہو۔ مگر حاکم کی طبیعت کی ذاتی سختی اسے سخت سزا دینے پر مجبور کرتی ہے۔ اور قانون بھی اس کی ایسی طبعی سختی کے اجراء سے کسی طرح روک نہیں سکتا۔ کیونکہ قید یا جرمانہ کی کوئی حد ایسی مقرر نہیں کہ اس سے کمی بیشی جائز نہ ہو سکے۔ ایسا ہی ممکن ہے کہ کوئی شریر طبع۔ بدذات۔ ظلم کیش۔ اس درجہ ظلم اور زیادتی پر ترقی کر گیا ہو کہ معمولی سزا تو کیا سخت سے سخت سزا بھی اسے کافی نہ ہو مگر حاکم کی طبیعت کی قدرتی نرمی اور ذاتی رحمدلی اس پر ایسی سختی کی اجازت نہیں دیتی۔ اور وہ معمولی سی سزا حسبِ اجازت قانون دے کر اسے چھوڑ دیتا ہے تو یقیناً جو نتیجہ عدالت اور انتقام سے ہونا چاہیئے تھا۔ نہیں ہوگا۔ بلکہ بجائے اس کے ایسے بدذات شریر النفس اور زیادہ سرکش ہو جائیں گے جو کچھ سرکشی اور بدذاتی ان سے سرزد ہوگی۔ گو اس میں حاکم مجاز کی نرمی طبیعت کو بھی دخل ہے۔ مگر حقیقتاً قانون سرکاری اس کا باعث ہے جس نے سزا کی حد معین نہیں کی۔ جس سے حاکم اپنی

نرمی طبیعت کو رد کرنے پر مجبور ہوتا۔ اسی حکمتِ غامضہ کی طرف اشارہ کرنیکو خدا فرماتا ہے لَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللّٰهِ یعنی مجرموں کو پوراجن کا ذکر اس آیت میں ہے) سزا دینے میں نرمی نہ کیا کرنا۔ غرض یہ نقصان قانون سرکاری میں ہے جو اسلامی قانون میں نہیں۔ گو اعتراض کے طور پر کوئی شخص اسلامی قانون میں بھی سقم پیدا کر سکتا ہے۔ مگر جس اصول پر ہماری گفتگو ہے اُسے مدنظر رکھ کر کوئی سوال ہوگا۔ تو ہم بڑی خوشی سے سُنیں گے۔ اور بڑی متانت سے جواب بھی عرض کریں گے وہ اصول تمہید میں ہم بیان کر آئے ہیں۔ کہ محکوم کو حاکم کی ضرورت کیوں ہے؟ جس کا جواب یہ ہے کہ محض مظلوم کی حمایت اور حفاظت کے واسطے۔ سو اس اصول کو جیسا اسلامی قانون نے نبا ہا ہے گورنمنٹ کے قانون میں ویسا اس کا لحاظ نہیں کیا گیا۔

# سرقہ یا چوری

**دفعہ ۳** ۔ چوری کے متعلق اسلامی قانون کا حکم یہ ہے کہ "چور مرد ہو یا عورت* کم سے کم تین[1] درم (تقریباً ۱۲ر) کی چوری پر اُن کے دائیں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور مال مالک کو واپس ملے۔ اگر کھا گیا ہو تو اس پر ڈگری کی جائے۔

## سرکاری قانون یہ ہے :-

"جو کوئی شخص سرقہ کا مرتکب ہو۔ اس کو دونوں قسموں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی۔ جس کی میعاد تین برس تک ہو سکتی ہے۔ یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائینگی" (دفعہ ۳۷۹)

---

* وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا (قرآن سورۃ المائدہ ع ۶)

[1] یہ قید حدیث صحیح سے لی گئی ہے جو ترمذی وغیرہ میں منقول ہے۔ بعض علماء کے نزدیک دس درم (تقریباً ۲ ۸/۳ پر یہ سزا ہوگی۔ راقم کے نزدیک جو صحیح ہے وہ اختیار کیا گیا ہے۔ واللہ عند اللہ

آیہ دفعہ بھی خواہان ملک کی عموماً اور مذہبی میدان کے جنگ جوؤں کی خصوصاً توجہ اپنی طرف مبذول کرتی ہے اسلامی قانون اس بدعادت کے مٹانے میں جس قدر اثر رکھتا ہے نمایاں ہے۔ ملزم سزا یاب تو دوبارہ کاہے کو وہ کام کرنے لگا اس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی جو عبرت ہوگی۔ محتاج بیان نہیں۔ بخلاف سرکاری قانون کے جس میں چند یوم کی قید کی بھی گنجائش ہے۔ بدمعاشوں۔ مال مردم خواروں کیلئے بھلا کیا عبرت بخش ہو سکتی ہے جس کا صریح نتیجہ یہ ہے کہ بدمعاش باوجود سالہا سال قید کاٹنے کے بھی باز نہیں آتے بلکہ جتنی دفعہ جیل کی سیر[1] کرتے ہیں اسی قدر موٹے تازے ہو کر نکلتے ہیں۔ اس امر کا ثبوت خود گورنمنٹ کے کاغذات میں موجود ہے کہ ایک ہی چور کئی کئی دفعہ قید بھگتتا ہے، یہانتک کہ اسی قید میں مرجاتا ہے۔ مگر اس بدعادت سے باز نہیں آتا۔

اسلامی قانون پر بے سمجھی سے بعض سادہ لوح یہ اعتراض کر دیا کرتے ہیں کہ "یہ سزائیں وحشیانہ ہیں جن سے آدمی ہمیشہ کے لئے نیم ضائع ہو جاتا ہے"۔ مگر ان بھولوں کو یہ بھی معلوم نہیں کہ بسا اوقات انسان کے ہاتھ پاؤں اس سے بھی خفیف معاملات پر ایسی مہذب اور شائستہ گورنمنٹ کے زمانے میں بھی کاٹے جاتے ہیں۔ ڈاکٹری شہادتیں اس بارہ میں موجود ہیں کہ ہر روز معمولی سی بیماریوں پر جن میں مرض کے آگے بڑھ جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہیں حالانکہ کوئی جرم مریض نے نہیں کیا ہوتا۔ بلکہ صرف اس کے بقیہ جسم کی

[1] سیر کا لفظ اس لئے لکھا گیا ہے کہ بدمعاش ایسی قید کو محض سیر ہی سمجھتے ہیں۔ اس کا نام اپنے محاورے میں "بڑے گھر کی سیر" رکھتے ہیں اس لئے پامر جیسے سرآوردہ اخبار نے بھی ایکدفعہ خدا لگتی کہی تھی۔ کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے دوش بدوش جرائم کی تعداد بھی بڑھتی جاتی ہے ۱۸۶۷ء کو پنجاب میں کل جرائم کی تعداد ۹۴ ہزار تھی ۱۸۸۰ء میں ایک لاکھ ۳ ہزار تک اور ۱۹۰۰ء میں ایک لاکھ ۸۰ ہزار تک پہنچ گئی۔ لاہور ۱۸ جولائی ۱۹۰۲ء

سلامتی کے لحاظ سے اس ایک چوڑ سے لاپرواہی کی جاتی ہے۔ پس جبکہ ایسی صورت میں کہ اس کا ضرر جسمانی اسی شخص کے جسم تک محدود رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کو وحشی پنہ نہیں کہا جاتا۔ تو جس صورت میں شخص خاص سے بڑھ کر دوسروں پر اس کا ضرر متعدد طرح سے پہنچتا ہو۔ کسی کو تو اس مذفعل کے کرنے کی ترغیب ملتی ہو۔ چنانچہ ایک چور کو دیکھ کر دوسرے کا اسی کام پر راغب ہونا علیٰ ہذا ہم دیکھتے ہیں اور کسی کو مالی نقصان سے ضرر پہنچا۔ علاوہ اس کے ملک کے امن عامہ میں خلل ہونا۔ رعایا کو اطمینان نصیب نہ ہونا مالداروں کے حق میں ان کا مال وبالِ جان ہو جانا غرض کئی قسم کے قبائح ہیں جو چوریوں کی کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ پس ان سب امور کو ملحوظ رکھ کر اور ساتھ ہی اس کے یہ خیال دل میں مضبوطی سے جما کر سزا سے ملزم کی اور ملزم کو دیکھنے والوں کی عبرت مقصود ہوتی ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے ہی مناسب اور ضروری معلوم ہوتے ہیں جس کا اسلامی قانون میں حکم دیا گیا ہے۔ **گورنمنٹ** اس پر ایک سال عمل کر کے دیکھ لے کہ کیسی جلدی ان بد عادتوں اور فسادوں کی بیخ کنی ہوتی ہے۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

# ڈاکہ یا ڈکیتی

دفعہ ۴ ۔ ڈاکہ زنوں کے متعلق **اسلامی** قانون یہ ہے:۔

ڈاکہ زن اگر ڈرا دھمکا کر مسافروں سے صرف مال ہی چھینیں اور کسی شخص کے قتل و قتال تک[1] نوبت نہ پہنچے تو ان کے ہاتھ پاؤں برعکس کاٹ دیئے جائیں یعنی

---

[1] اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ع۵) بقیہ ملاحظہ ہو

دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں۔ اور اگر قتل و قتال تک بھی نوبت پہنچے تو قتل یا سولی دئے جائیں گے۔ اگر قتل و قتال نہیں ہوا اور نہ ہی مال چھینا ہے بلکہ معمولی دھمکی دیتے اور خوف ہی جتلاتے رہے۔ لیکن مال وصول نہیں کر سکے یا مسافروں سے ان کو مال ملا ہی نہیں تو جلا وطن کئے جائیں خواہ حبس دوام بعبور دریائے شور ہوں یا کسی دور دراز ملک میں بھیج دیئے جائیں۔

## سرکاری قانون اس کے متعلق یہ ہے:۔

(اگر محض ڈکیتی بلا قتل انسان ہو) جو کوئی شخص ڈکیتی کا مرتکب ہو اس کو حبس دوام بعبور دریائے شور یا قید سخت کی سزا دی جائیگی۔ جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔" (دفعہ ۳۹۵)

(اور اگر قتل انسان وقوع میں آیا ہے تو) اگر اُن پانچ[1] یا زیادہ شخصوں میں سے جو شامل ہو کر ڈکیتی کا ارتکاب کریں۔ کوئی ایک شخص اس ڈکیتی کے ارتکاب میں قتل عمد کا مرتکب ہو تو ان (ڈاکہ زنوں) میں سے ہر ایک شخص کو سزائے موت یا حبس دوام بعبور دریائے شور یا قید سخت کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔ اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔" (دفعہ ۳۹۶)

سرکاری قانون میں ڈکیتی کی دو ہی قسمیں قرار دی گئی ہیں۔ یعنی ایک وہ قسم جس میں قتل انسان بھی وقوع میں آئے۔ دوم جس میں قتل انسان وقوع میں نہ آئے۔ مگر اسلامی قانون میں اس کی تیسری قسم بھی ہے۔ جسمیں نہ تو قتل انسانی ہو

[1] گورنمنٹ کے قانون کے مطابق ڈاکہ زنی کی تعریف میں داخل ہے کہ پانچ آدمی یا زیادہ مل کر حملہ کریں۔ اس لئے پانچ کا لفظ سزا میں بھی داخل ہے۔

نہ اخذ مال بلکہ رہزنوں نے محض دھمکی دی ہو اور مال لینے تک نوبت نہ آئی ہو۔ یا تو بوجہ اس کے کہ مسافروں کے پاس مال ہی نہیں یا بوجہ کسی اور مانع کے چنانچہ پہلے بیان ہوا۔

البتہ سرکاری قانون کی رو سے تیسری قسم ڈکیتی میں دوسری قسم کی نصف سزا اقدام جرم پر ہو سکتی ہے چنانچہ دفعہ ۵۱۱ کا مضمون ہے:۔

"جو کوئی شخص کسی ایسے جرم کے ارتکاب کا اقدام کرے۔ جس کی پاداش اس مجموعہ کی رو سے سزائے حبس بعبور دریائے شور یا قید مقرر ہے یا جو ایسے جرم کے ارتکاب کے باعث ہونیکا اقدام کرے۔ اور ایسے اقدام میں کوئی ایسا فعل کرے جو جرم مذکور کے ارتکاب کی طرف منجر ہو تو اس صورت میں کہ اس مجموعہ میں ایسے اقدام کی کوئی خاص متعین سزا نہ پائی جائے۔ اس شخص کو حبس بعبور دریائے شور کی سزا یا کسی قسم کی قید کی سزا دی جائیگی جو جرم مذکور کے لئے معین ہو اور اس حبس بعبور دریائے شور یا قید کی میعاد اس میعاد کے نصف تک ہو سکتی ہے جو جرم مذکور کے لئے بڑی سے بڑی معین ہے یا اس جرمانے کی سزا جو جرم مذکور کی پاداش میں معین ہے یا دونوں سزائیں دی جائینگی" (دفعہ ۵۱۱)

تیسری قسم کے ڈاکہ پر دوسری قسم کی سزا کا دینا بظاہر خلاف انصاف معلوم ہوتا ہے چنانچہ اس امر کو اسلامی قانون میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ علاوہ اس کے چند سال کی قید سے ایسے عیاروں۔ بدمعاشوں پر جو اثر ہونے کی توقع ہے معلوم خاص کر اس لحاظ سے دیکھا جائے کہ اس پر بھی پھر حد معین نہیں بلکہ حاکم کی طبیعت اور رائے پر موقوف ہے۔ جس کی بابت ہم پہلے ضرر شدید کی دفعہ میں لکھ آئے ہیں کہ اس بیچے قیدی اور عدم تحدید کا اثر برا ہونے کا احتمال ہے ہاں اسلامی

قانون پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ قتل انسان کی صورت میں والیان مقتول کو جو اختیار صلح یا عفو کا دیا گیا تھا۔ ڈکیتی کی صورت میں کیوں اختیار نہیں دیا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس قتل میں اختیار دیا گیا ہے وہ اور قسم سے ہے اور ڈکیتی میں قتل اور قسم سے ہے ان دونوں میں قاتلوں کی نیت مختلف ہوتی ہے۔ قسم اول میں تو خاص اس مقتول سے رنج ہوتا ہے۔ جس رنج کی وجہ سے قاتل اس کی زندگی نہیں چاہتا اور صورت ثانیہ میں خاص مقتول سے رنج نہیں ہوتا۔ بلکہ قاتلوں کی غرض ناجائز طریق سے اخذ مال کی ہوتی ہے جس کی روک تھام اور بچاؤ کرنے میں مقتول کے قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ مختصر یہ کہ قسم ثانی میں چونکہ قاتلوں کی غرض محض فساد سے ہے۔ زید ان کے سامنے آئے یا عمرو۔ ہر ایک سے وہ ایک سا ہی معاملہ کریں گے۔ بخلاف پہلی قسم کے کہ اس میں قاتل کا ظلم صرف ایک ہی شخص تک محدود ہوتا ہے۔ اس لیے اس میں والیان مقتول کو اختیار دیا گیا ہے اور قسم ثانی میں سرکار مستغیث ہے کیونکہ یہ فساد عام رعایا تک پہنچتا ہے۔ جس کا انتظام کرنا سرکار کا ذمہ ہے۔

# زنا

**دفعہ ۵۔** زنا دو قسم ہے۔ بجبر اور برضا **اسلامی قانون** میں دونوں قسموں کی سزا ایک سی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ زنا برضا کی صورت میں زانی اور مزنیہ دونوں کو برابر سزا ملتی ہے اور جبر کی صورت میں مجبور بری ہو جاتا ہے۔ فقط جابر کو سزا ہوتی ہے۔ زانی اگر کنوارا ہے تو سو درے[1] بہت شدید لگائے جائیں گے۔ اور اگر بیاہا ہوا ہے تو سنگسار (رجم)[2] کیا جاویگا۔

---

[1] اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ (سورۃ نور ۲ع)

[2] الا ان الرجم حق على من زنى اذا احصن وقامت البينة او كان الحمل والاعتراف (ترمذی)

مگر زناء کے ثبوت کے لئے چار گواہوں کی ضرورت ہوگی۔ اس سے کم گواہوں سے جرم ثابت نہ ہوگا۔

**گورنمنٹ** کے قانون میں زنا بجبر کی سزا تو ہے مگر زنا برضا کی سزا نہیں۔

زنا بالجبر کی سزا یہ ہے:۔

"جو کوئی شخص زنا بجبر کا مرتکب ہو اس کو حبس دوام بعبور دریائے شور یا دونوں میں سے کسی قسم کی قید کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔ اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا" (دفعہ ۳۷۶)

**سرکاری قانون** نے زناء بالرضاء کو جرم† ہی قرار نہیں دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں انگریزی علاقہ ہے۔ عام طور پر فاحشہ عورتوں نے زناء کاری کو اپنا پیشہ ہی قرار دے رکھا ہے۔ بلکہ اگر کوئی فاحشہ عورت زناء سے علاوہ ناچ وغیرہ کی آمدنی سے آسودہ حال ہو تو انکم ٹیکس بھی اس سے وصول کر کے داخل خزانہ شاہی کیا جاتا ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ دیگر حلال طیب پیشوں کی طرح زناکاری بھی پیٹ پالنے کا ایک جائز ذریعہ ہے۔ حالانکہ کل دنیا کی آبادی اور اہل مذاہب اس بدرسم اور فعل قبیح کو مذموم قرار دیتے ہیں اور اس کے برے نتائج سے مخلوق کو متنبہ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہدایت مندرجہ اناجیل مروجہ تو سب سے زیادہ اس کی بیخکن ہے۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"تم سن چکے ہو کہ اگلوں سے کہا گیا تو زنا نہ کر پر میں تمہیں کہتا ہوں کہ جو کوئی شہوت سے کسی عورت پر نگاہ کرے وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا سو اگر تیری دہنی آنکھ تیرے ٹھوکر کھانے کا باعث ہو تو اسے نکال اور اپنے پاس سے پھینک دے۔

† کسی کی منکوحہ عورت سے زناء کرنے پر جو بعض اوقات سزا ملتی ہے تو اس لئے ہے کہ اس میں ناکح کی حق تلفی ہے بجنس زنا موجب سزا نہیں اگر وہی ناکح راضی ہو تو پھر کوئی سزا نہیں فافہم۔ ۱۲

کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے یا اگر تیرا دہنا ہاتھ تیرے لئے ٹھوکر کھانیکا باعث ہو۔ اس کو کاٹ ڈال اور اپنے پاس سے پھینک دے۔ کیونکہ تیرے انگوں میں سے ایک کا نہ رہنا تیرے لئے اس سے بہتر ہے کہ تیرا سارا بدن جہنم میں ڈالا جائے (انجیل متی ۵ باب کی ۲۷ آیت)

حضرت موصوف نے حکم تو بڑے تاکیدی دیئے مگر دنیاوی سزا جو عموماً مفید سمجھی جاتی ہے جس سے ہر ایک نیک و بد ترساں رہتا ہے۔ اس فعل قبیح پر کوئی تجویز نہ کی۔ بلکہ ایسی سزاؤں کے لئے ایک عادل سردار کی جو اُن سے پیچھے آنے والا تھا جس نے فاران (مکہ کے میدان) کی چوٹیوں سے چمکتی ہوئی شریعت لے کر آنا تھا٭ انتظار کرنیکا ارشاد فرمایا۔ خیر اس کا تو یہاں ذکر تبعاً ہے۔ اصل یہ ہے کہ گورنمنٹ نے اس مسئلہ میں تمام مذاہب کا خلاف کیا ہے۔ گو وہ بحیثیت حکومت کسی مذہب کی مدعی نہیں مگر اس عدم ادعا کے یہ معنے نہیں کہ خدا کے سب نبیوں اور پاک نوشتوں کی ہدایت کے خلاف۔ اس نے وعدہ کیا ہوا ہے۔ بلکہ اس کے تو یہ معنے ہیں کہ عدالت اور انصاف۔ رعایا میں سب مذاہب کی قوموں کو ایک نظر سے دیکھا جاوے گا۔ حالانکہ گورنمنٹ کے قانون کے مطابق لواطت (لونڈے بازی) اور حیوانوں سے وطی کرنے پر حبس دوام بعبور دریائے شور یا دس برس کی سزا ہے جو دفعہ ۳۷۷ کا مضمون ہے لیکن سوال یہ ہے کہ لواطت پر اتنی سزا کیا اس لئے ہے کہ یہ فعل نیچر کے خلاف ہے ؟ یا اس لئے ہے کہ نطفہ ضائع ہوتا ہے۔ نیچر کے خلاف تو اور بھی بہت سے کام ہیں۔ حالانکہ ان پر یہ سزا تجویز نہیں بلکہ کچھ بھی نہیں۔ چنانچہ ہم نے بارہا ایسے آدمیوں کو دیکھا ہے جو اپنے جوڑ خشک کر دیتے ہیں۔ مگر اُن کو کوئی سزا نہیں ہوتی۔ کیا جوڑ خشک کر دینے نیچر کے خلاف نہیں ؟ پس لامحالہ

٭ دیکھو یوحنا ۱۶ باب کی ۱۱۔

٭ دیکھو حبقوق ۳ باب کی ۳۔

لواطت پر جو سزا تجویز ہے جو نطفہ کے ضائع کرنے اور بے محل ڈالنے کی وجہ سے ہے۔ پس زنا میں بھی یہی وجہ موجود ہے۔ گو مزنیہ نطفہ کا محل ہے۔ مگر عموماً زنا پیشہ عورتوں نے دواؤں کے ذریعہ اپنی قابلیت کو کھو دیا ہوتا ہے اور جو زنا پیشہ نہیں، اُن کو اگر ناجائز طور پر حمل ٹھہر جاتا ہے۔ تو فوراً اسقاط کرا دیتی ہیں۔ کیونکہ گورنمنٹ کے قانون کی رُو سے گو وہ مجرم نہیں لیکن قومی اور ملکی قانون اور وضعداری کی حیثیت سے سخت مجرم ہوتی ہیں۔ اگر اس لحاظ سے اس مسئلہ پر غور کریں تو اور بھی تعجب ہوتا ہے۔ کہ گورنمنٹ نے گورہ فوج کی مذہبی حفاظت کے لیئے لاکھہا کے خرچ سے پادری تو مقرر کیئے ہیں۔ مگر اسی گورہ فوج کی نفسانی خواہش کے پورا کرنے کو چھاؤنیوں میں فاحشہ عورتوں کا داخلہ بھی جائز۔ بلکہ اس طرفہ پر طرّہ یہ ہے کہ اُن رنڈیوں کی دکھائی بھی ہوتی ہے کہ کہیں وہ آتشک زدہ نہ ہوں۔ ادھر تو مذہبی ہدایت اور حفاظت کے لیئے لاکھہا روپیہ کا خرچ اور ادھر مذہبی تعلیم کی تعمیل کا یہ حال۔ خیر ہمیں اس سے بحث نہیں ہے

رموز مملکت خویش خسرواں دانند ✦ گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اس موقع پر ہم اہل مذاہب کی توجہ اپنی طرف پھیرنی چاہتے ہیں کہ اسلام نے اس فعل بد اور قبیح یعنی زنا کی کہاں تک بیخ کنی کرنے کی ہدایت فرمائی ہے کیسی عبرت بخش سزا دی ہے۔ ایسی کہ زانی ایک صورت میں تو زندہ ہی نہیں رہتے بلکہ مر ہی جاتے ہیں۔ مرتے بھی ہیں تو کیسی سختی سے کہ خدا کی پناہ۔ تصوّر کرنے سے شہوت پرستوں کا جوش تھم جاتا ہے۔ ایک صورت میں رجم یعنی سو بیت مارنے کا حکم ہے۔ اگر زندہ رہ سکتے ہیں تو نیم مردہ سے کئی دنوں بلکہ مہینوں کے علاج سے ہوش سنبھال سکیں۔ گورنمنٹ کی بھی خاص توجہ مطلوب ہے۔ کیونکہ اگر مذہبی ہدایات سے قطع نظر بھی کیجائے ..... مگر اسمیں تو شک نہیں کہ یہ بد طریق (زنا) اخلاق انسانی کے بھی خلاف ہے پھر ایسی

گورنمنٹ سے جو فحش تصاویر کا چھاپنا اور متعفن مضامین کا شائع کرنا جرم قرار دے ایسے فحش کی اجازت ہونی بعید از قیاس و گمان ہے۔ مذہبی اور اخلاقی ہدایت سے قطع نظر ملکی فواید بھی اس سے مانع ہیں کیا گورنمنٹ پر یہ امر مخفی ہے کہ ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی ایسے ہیں جو آتشک زدہ ہونیکے باعث مقطوع النسل ہوجاتے ہیں۔ جس سے ملک کی مردم شماری میں ازحد کمی ہوتی ہے۔ علاوہ اس کے کئی ایک خون خرابے اسی فحش اور بدفعلی (زنا) کی وجہ سے ظہور میں آتے ہیں۔ چنانچہ پولیس کی رپورٹوں سے یہ امر آئینہ نما ہے۔ پھر ایسے قبیح جرم پر گورنمنٹ کی طرف سے کسی سزا کا تجویز نہ ہونا محل تعجب نہیں تو اور کیا ہے۔ زنا بالجبر میں اگر سزا ہے تو محض جبر کی ہے۔ جس کا ثبوت بھی مشکل ہے۔ زنا کی سزا نہیں۔

# لواطت یا لونڈے بازی

دفعہ ۶۔ اس فعل بد کی نسبت قرآن شریف میں یہ حکم ہے کہ:۔

"فاعل اور مفعول (بشرطیکہ مفعول راضی ہو) دونوں کو سخت ایذا و تکلیف پہنچاؤ۔ جب تک توبہ اور صلاحیت اختیار نہ کریں اور صلاحیت کے آثار عام طور پر نمایاں ہوں اور آزمائے جائیں۔"

سرکاری قانون میں بھی یہ بدفعلی جرم ہے چنانچہ حکم ہے:۔

"جو کوئی شخص مرد یا عورت یا حیوان سے بالارادہ وطی خلاف وضع فطری کرے۔ اس شخص کو حبس دوام بعبور دریائے شور یا دونوں

---

۲ وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ط (سورۃ النساء رکوع ۳)

مستعمل میں سے کسی قسم کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دس برس تک ہو سکتی ہے۔ اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا" (دفعہ ۲۰۴)

اسلامی قانون میں نمایاں خوبی یہ ہے کہ اسمیں سزا کی انتہا دف علین کی صلاحیت قرار پائی ہے۔ جو ایسی بدفعلی کے لئے نہایت موزوں ہے اور سرکاری قانون میں صرف قید سے جسکی پوری تعیین بھی نہیں۔ بلکہ حاکم مجاز کی رائے پر منحصر ہے۔ گو انتہائی حد مقررہ ہے مگر انتہائی حد تک کبھی کسی حاکم نے کسی جرم میں بھی جہاں تک واقعات سے ہمیں معلوم ہے سزا نہیں دی۔ اس عدم تحدید کی خرابیاں ہم دفعہ ۲ میں بیان کر آئے ہیں۔

علاوہ ان کے اسلامی قانون نے انتہائی سزا جو قرار دی ہے ایسی بدفعلی پر وہی مناسب تھی۔ سرکاری قانون میں یقین کیا ظن غالب بھی نہیں کہ مجرم قید سے چھوٹ کر یا دریائے شور میں جاکر بھی اس بدفعلی سے باز رہیگا۔ جو سزا کا مقتضی تھا۔ اور اگر اتفاقاً باز آگیا تو یہ اس کی طبیعت کا تقاضا ہوگا نہ کہ سزا میں یہ خوبی رکھی ہے کہ اس کی انتہا ہی یہ قرار دی ہو کہ مجرم صالح بنے تو چھوڑ دو۔

# قذف یعنی تہمت زنا

**دفعہ ۷**۔ "جو شخص کسی کو زنا کی تہمت لگائے اور اس کا ثبوت باقاعدہ نہ رکھتا ہو تو اسلامی قانون کے مطابق اس کو اسی دُرّے ربیت شدید لگائے جائیں گے اور آئندہ کو اس کی شہادت کسی امر میں قبول نہوگی"۔

---

٭ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا ۔ (سورۂ نور ع ۱)

گورنمنٹ کے قانون میں اس جرم کی کوئی خاص سزا نہیں۔ البتہ ازالہ حیثیت عرفی کی دفعہ ہے جو عام مفہوم پر مشتمل ہے جس کا مضمون حسب ذیل ہے

"جو کوئی شخص کسی شخص کی حیثیت عرفی کا ازالہ کرے۔ اس شخص کو قید محض کی سزا دی جائے گی جس کی میعاد دو برس تک ہو سکتی ہے۔ یا جرمانہ کی سزا یا دونوں سزائیں" (دفعہ ۵۰۰)

لیکن سوال یہ ہے کہ جب زناکاری کوئی جرم یا عیب ہی نہیں تو اس کا الزام یا کسی نیک بخت کی طرف اس کو بنسبت کرنے سے ازالہ حیثیت عرفی ہی کیوں ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ ازالہ حیثیت کا مدار عرف پر ہے یعنی جس کام کی نسبت ہونے سے کسی شخص کی عزت میں خلل آتا ہو یا اس کی نیک نامی میں خلل آنے کا موجب ہو۔ گو وہ امر قانوناً جائز ہی کیوں نہ ہو تو ان معنے سے بیشک کسی شریف آدمی کو خصوصاً مذہبی پیشواؤں کو زناء سے متہم کرنا ازالہ حیثیت عرفی میں شامل ہے مگر اس میں نیت کی ایک قید ایسی لگائی گئی ہے جس کا ثبوت سخت مشکل ہے کیونکہ ازالہ حیثیت عرفی کی تعریف یہ ہے:۔

"جو کوئی شخص ایسی باتوں کے ذریعہ سے جو تلفظ کی جائیں یا جن کا پڑھا جانا مقصود ہو یا اشارات کے ذریعہ سے یا نقوش مرئیہ کے ذریعے سے کسی شخص کی نسبت کوئی اتہام لگایا جائے یا مشتہر کرے۔ یہ نیت کر کے کہ اس شخص کی نیک نامی کو نقصان پہنچایا جائے یا یہ جان کر یا یہ باور کرنے کی وجہ رکھ کر کہ وہ اتہام اس شخص کی نیک نامی کو نقصان پہنچائیگا۔ تو سوائے اُن حالتوں کو جو پیچھے مستثنیٰ کی گئی۔ (دیکھیے جن میں اس نیت کا ثبوت نہیں) کہا جائیگا کہ اس نے اس شخص کا ازالہ حیثیت عرفی کیا" (دفعہ ۴۹۹)

بخلاف اس کے اسلامی قانون نے نیت کی پخ اس میں نہیں لگائی۔ کیونکہ شخص متہم کی عزت تو ہر حال میں برباد ہو گئی۔ ملزم نے نیت سے کہا ہو یا بے نیت۔ اگر وہ بدنامی کی نیت کر کے کہیگا تو بھی لوگ سنیں گے اور اگر بلا نیت کہیگا تو بھی سنیں گے۔ بہرحال اس کی بدنامی کی شہرت تو ہوگی۔ جس سے اس کی نیک نامی میں فرق ضرور آئے گا۔ لوگوں کو اس سے کیا مطلب کہ اس نے کس نیت سے کہا یا کس نیت سے نہیں کہا۔ وہ سنتے ہوئے الفاظ کی نقل کریں گے اور ثبوت کے لئے اس شخص کہنے والے کا نام لے دیں گے۔ پس اگر شخص متہم کی بدنامی پر سزا مرتب ہے۔ تو نیت کی شرط اس کے خلاف ہے۔ علاوہ اس کے اتہام لگانے والے ایسے راست باز کہاں؟ کہ وہ اقرار بھی کرلیں کہ ہماری نیت بیشک بدنام کرنے کی تھی۔ بلکہ وہ سو طرح سے حیلے بہانے نکالیں گے، اور اس قانون کی آڑ میں ہو کر جس کو چاہیں گے۔ متہم کر کے بدنام کریں گے اور ایسے لفظوں میں اس امر کا اظہار کریں گے۔ کہ سننے والے کو بدنیتی کا گمان بھی نہ ہو۔ مثلاً زید کی نسبت عمرو کے پاس ذکر کرتے ہوئے یہ کہہ سکتے ہیں کہ آج تک تو میرا اس سے حسن ظن ہے۔ گو میں نے ایک دفعہ اسے ایسا کام کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ یا لوگوں سے سنا تھا۔ تم اس امر کا کہیں ذکر نہ کرنا۔ پردہ پوشی سے خدا راضی ہوتا ہے۔ اسی طرح متعدد آدمیوں کے سامنے کہدیا تو پھر بحکم السر اذا جاوز الاثنین فقد شاع۔[1] تمام لوگوں میں مشہور ہو جائے گا۔ اور یہ میاں صاحب اپنے بچاؤ کی کافی وجہ رکھتے ہیں کہ میں نے بدنیتی سے نہیں کہا تھا۔ اسی لئے میں نے اس کو آگے روایت کرنے سے روک دیا تھا۔

علاوہ اس کے سزا بھی ایسی خفیف ہے کہ بدمعاشوں کو عبرت بخش نہیں

[1] بھید جب دو سے گذر جائے تو پھر شائع ہو جاتا ہے۔

ہو سکتی۔ کیونکہ ایک تو قید محض یعنے بلا مشقت ہے۔ دوم گو دو سال انتہائی لکھی ہے۔ مگر آخر عدالت کی رائے پر موقوف ہے۔ ہم نے بڑے بڑے معزز آدمیوں کی ازالہ حیثیت کے مقدمات دیکھے جن میں دو یا تین مہینوں کی محض قید سے بڑھکر سزا نہیں ہوتی۔ حاکم کی نرمی طبیعت ہنوز باقی ہے۔ جس کا اثر اور نتیجہ ہم دفعہ ۲ میں ذکر کر آئے ہیں۔

## شراب خوری

**دفعہ** ۔ شراب خوری کے متعلق اسلامی قانون میں ایک دفعہ پینے پر اسّی درّے (ضربیت شدیدہ) لگانے کا حکم ہے مگر سرکاری قانون میں شراب خوری کو جرم ہی قرار نہیں دیا گیا جس کا اظہار چنداں ضروری نہیں۔ عام طور پر بازار میں سرکار کی حفاظت میں بکنا اور سرکاری حمایت میں آبکاری کے کارخانوں کا جاری ہونا بلکہ کروڑہا روپیہ اس کے محصول کا خزانہ شاہی میں داخل ہونا وغیرہ وغیرہ یہ سب نہایت بدیہی اس امر کے ہیں کہ گورنمنٹ نے شراب خوری کو جرم ہی قرار نہیں دیا۔ حالانکہ کل اہل مذاہب بلکہ ریفارمران قوم بلکہ ڈاکٹر اور حکیم اس کی برائی اور مضرت پر بالاتفاق متنبہ کرتے ہیں۔ مگر گورنمنٹ باوصف ایسی شائستہ اور مہذب گورنمنٹ ہونیکے ابھی تک اس کے جواز کی قائل ہے۔ لیکن کیا عجب کہ آئندہ کو کبھی اپنے پاک دامن سے اس غبار کو دھو ڈالے۔ جو شراب خوری کی اجازت دینے سے اس پر بدنما دھبہ لگ رہا ہے۔

**ٹمپرنس سوسائیٹیوں کے ممبرو!** اور حامیو! اسلامی قانون کو کس

---

ف۱ انگلستان میں بعض انجمنیں ہیں جن کی کوشش شراب و دیگر نشیات وغیرہ چیزوں کے بند کرانے پر ہے ایسی مجلسوں کو ٹمپرنس سوسائیٹی کہتے ہیں۔ لارڈ رابرٹ صاحب فاتح جنوبی افریقہ بھی ان مجالس میں شریک بلکہ سرگروہ ہیں۔ ہندوستان پنجاب میں بھی ہندو مسلمانوں کی مجموعی کوششوں سے بعض بعض جگہ ایسی انجمنیں قائم ہیں [illegible] اللہم زد فزد۔

نگاہ سے دیکھتے ہو؟ اس سیاسی سزا کے علاوہ جس کا ذکر اُوپر ہُوا مذہبی طور پر اس بدفعل سے اسلام نے جس قدر دھمکایا ہے۔ ٹمپریٹوں* کی اطلاع کے لئے ہم اس کو بھی نقل کرتے ہیں۔

قرآن[1] مجید میں تو صریح ارشاد ہے کہ شراب خوری بڑا ہی نجس کام ہے۔ پس اس کے نزدیک بھی نہ جائیو تاکہ تمہارا بھلا ہو

ایک حدیث[2] میں ایک شخص کے جواب میں جس نے شراب سے دوا بنانے کی درخواست کی تھی۔ فرمایا: "وہ دوا نہیں بلکہ خود بیماری ہے۔"

ایک حدیث[3] میں ارشاد ہے جو کوئی ایک دفعہ شراب پیئے۔ چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔

ایک شخص[4] نے عرض کی۔ حضرت! ہمارے ملک میں سخت سردی ہوتی ہے اور ہم کام کرتے ہوئے شراب پی لیا کرتے ہیں تاکہ قوت پا سکیں۔ آپ نے فرمایا نشہ کی چیزیں چھوڑ دو۔ اس نے عرض کی کہ وہاں کے لوگ تو اس کے عادی ہو رہے

---

* ٹمپرنس سوسائٹیوں کے ممبروں کو ٹمپریٹ کہتے ہیں۔ عام طور پر بھی تارک نشہ کو ٹمپریٹ کہتے ہیں۔

[1] إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

[2] عن طارق بن سويد سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن الخمر فنهاه فقال انما اصنعها للدواء فقال انه ليس بدواء ولكنه داء (مشكوٰة)

[3] من شرب الخمر لم يقبل الله له صلوٰة اربعين صباحًا (مشكوٰة)

[4] عن ديلم الحميري قال قلت لرسول الله صلى الله عليه وسلم يا رسول الله انا بارض باردة ونعالج فيه عملا شديدا وانا نتخذ شرابا من هذا القمح نتقوى به على اعمالنا وعلى برد بلادنا قال هل يسكر قلت نعم قال فاجتنبوه قلت ان الناس غير تاركيه قال ان لم يتركوه فاقتلوهم (مشكوٰة)

ہیں۔ وہ تو اسے نہیں چھوڑنے کے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر نہ چھوڑیں تو بیشک ان سے جنگ کرو۔" (گویا شراب کا پینا بھی ایک قسم کی بغاوت ہے)۔

ایکؔ[1] حدیث میں ارشاد ہے کہ ہمیشہ شراب پینے والا جنت سے محروم کیا جاویگا
ایکؔ[2] حدیث میں فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔ کہ جو کوئی ایک گھونٹ بھی شراب پیئے گا۔ میں ضرور اس کو دوزخیوں کے زخموں کی پیپ پلاؤں گا۔
ایکؔ[3] حدیث میں فرمایا ہے کہ ہمیشہ شراب پینے والا خدا کے نزدیک بُت پرست کے برابر ہے۔

ایکؔ[4] حدیث میں ہے کہ شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔ بنانیوالے پر، بنوانیوالے پر، خریدنے والے پر، دلال پر۔ حمال پر، پینے والے پر پلانیوالے پر۔ غرض جن کو اس میں کچھ بھی تعلق ہو۔

افسوس ہے کہ اس خانہ خراب کا وجود اسلامی سلطنتوں اور ریاستوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ لیکن ہم نے اسلامی قانون کی خوبی بتلانے کا وعدہ کیا ہے۔ اسلامی سلطنتوں یا ریاستوں کے انتظامات کا ذکر نہیں۔ اگر یہ سلطنتیں اور ریاستیں اسلامی قانون کی پابند ہوتیں۔ تو ایسی بدنظمی اور تنزل میں جیسیں کہ آجکل نظر آ رہی ہیں کیوں ہوتیں الی اللہ المشتکی ہرچہ برماست از ماست۔ ہم نے نہایت اختصار

---

[1] قال لا یدخل الجنۃ عاق ولا قمار ولا منان ولا مدمن خمر (مشکوۃ)

[2] خلف ربی عزوجل لا یشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر الا سقیتہ من الصدید مثلہا (مشکوۃ)

[3] مدمن الخمران مات لقی اللہ تعالیٰ کعابد وثن (مشکوۃ)

[4] لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الخمر عشرۃ عاصرہا ومعتصرہا وشاربہا وحاملہا والمحمولۃ الیہا وساقیہا وبایعہا واکل ثمنہا والمشتری لہا والمشتراۃ لہ (ترمذی)

سے ضروری ضروری مسائل اور دفعات پر بحث کی ہے تاکہ باقی امور میں یہ نمونہ ہو سکے۔ ورنہ مقدمات فوجداری تو اس کثرت سے ہیں کہ دفتروں کے دفتر بھرے پڑے ہیں۔ البتہ یہ مقدمات جنہیں ہم نے مقابلہ دکھایا ہے ایسے ہیں کہ روزمرہ ان کا وقوع ہوتا ہے اور حکومت کو بھی زیادہ تر انہیں کے انسداد کی فکر ہوتی ہے ؎

# صیغۂ دیوانی

سرکاری قانون میں ضابطہ دیوانی کو یوں تو بہت ہی کچھ بڑھایا گیا ہے۔ مگر وہ ساری تفصیل اور تطویل محض مبادی کی ہے اور بس۔ مثلاً عرضی لکھنے کے طریقے سمنوں کے اجراء کرنیکا ذکر۔ سمنوں پر دستخط کرانیکا مذکور وغیرہ ہیچ و پوچ ہیں۔ مگر ہماری غرض چونکہ طریق حکومت اور طریق فیصلہ سے ہے۔ اس لئے ان سب مبادی کو ہم نظر انداز کر کے اصل مطلب سے گفتگو کرینگے۔ صیغہ دیوانی کا لب لباب دو حرفوں میں ہو سکتا ہے یعنے جو کوئی کسی پر دعوےٰ کرے۔ اس کے دعوے کی جانچ اور صحت کے بعد اس سے ثبوت لینا۔ ثبوت تحریری ہو یا زبانی شہادت سے۔ بعد شہادت گذر جانیکے اگر شہادت قابل اعتبار ہو تو فیصلہ بحق مدعی کرنا۔ اگر کافی ثبوت نہو تو دعوےٰ خارج لیکن اسلامی قانون میں یہی ایک صورت فیصلہ کی نہیں۔ بلکہ اس کے علاوہ ایک دو صورتیں* اور بھی ہیں۔ گواہوں کو بھی اسلامی قانون نے گورنمنٹ کے قانون کی طرح مطلق نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ ان میں بھی ترمیم اور تنقیہ کی ہے۔ سرکاری قانون کے مطابق ہر ایک آدمی جو عدالت کا سوال سمجھ سکے۔ گواہ بن سکتا ہے عام اس سے کہ نیک ہو یا بد۔ بھلا مانس ہو یا بدمعاش

* ایک دو۔ اس لئے کہا ہے کہ انمیں سے ایک صورت میں تو سب ائمہ اور علماء کا اتفاق ہے۔ مگر دوسری میں اختلاف ہے لیکن راقم کے نزدیک وہ بھی صحیح ہے

بالغ ہو یا نابالغ مگر اسلامی قانون میں گواہی کے لئے بھلا مانس آدمی ہونا ...
ضروری ہے جس کی دروغگوئی کبھی ثابت نہوئی ہو۔ بلکہ علاوہ راستبازی کے اپنے
مذہب پر پورا کاربند ہو۔

نیز اگر کسی معاملہ میں دو مرد گواہ نہ ہوں۔ تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ
ہونی چاہئیں۔ بھلے مانسی کی قید کی حاجت تو عیاں ہے۔ کیونکہ جب گواہوں کے بیان پر
ہی مدار ہے تو ان کی صفائی حال اور صدق مقال کو جس قدر انہیں دخل ہونا چاہیئے۔
حاجت بیان نہیں۔ اسلامی قانون میں ایک صورت فیصلہ کی تو یہی ہے کہ دعوی
کا کافی ثبوت مدعی کی جانب سے ہو تو ڈگری ہو جائے گی۔ دوسرا طریق تصفیہ حلف[۵]
ہے۔ یعنی اگر مدعی کے پاس کافی ثبوت اپنے دعویٰ کا نہ ہو۔ تو مدعا علیہ کو
حلف دیجاتی ہے کہ میں نے اس کا نہیں دینا یا مدعی کا دعوےٰ غلط اور جھوٹ ہے۔
پھر اگر وہ حلف اٹھالے تو دعوےٰ خارج۔ اور اگر حلف اٹھانے سے انکار کرے تو
ڈگری ہو جائے گی۔ مگر حلف ہر قوم کو اُن کے اعتقاد کے مطابق دیجائے گی لیکن
ان الفاظ شرکیہ اور کفریہ سے نہیں جن پر وہ راسخ القدم ہوں۔ عیسائی کو اُن
لفظوں میں قسم دی جائے گی۔ کہ "مجھے خداوند عالم کی قسم ہے" مگر ان لفظوں میں نہ
دیجائے گی۔ کہ مجھے خداوند مسیح کی قسم ہے" اسی طرح ہندوؤں وغیرہ کو۔ غرض بعد عدم
ثبوت مدعی کے حلف مدعا علیہ بھی ایک درجہ باقی ہے۔ اور اگر بغور دیکھا جائے تو
یہی قرین انصاف ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات ایک شریف آدمی کسی پر اعتبار اور
بھروسہ کرکے خفیہ معاملہ کر لیتا ہے جس کا ثبوت کچھ بھی نہیں ہوتا اور مدعا علیہ منکر
ہو جاتا ہے۔ یا اگر مدعا علیہ منکر نہو لیکن اس کے ورثا مرجو اس کی جائداد کے مالک

---

[۴] ممن ترضون من الشهداء (سورۃ البقرہ)

[۵] البینة للمدعی والیمین علی من انکر (حدیث)

ہوتے ہیں۔ باوجود اطلاع کے منکر ہو جاتے ہیں تو ایسی صورت میں اگر فیصلہ کی یہ صورت نہو جو اسلامی قانون میں تجویز ہے بلکہ بارِ ثبوت محض مدعی ہی کے ذمے رکھا جاتے تو اس بیچارے مظلوم کا ناحق نقصان ہونا لازم آجائے گا۔ حالانکہ حلف میں کوئی حرج بھی نہیں اس لئے کہ اگر مدعا علیہ نے واقعی دینا نہیں تو اس کو حلف اٹھانے میں کوئی قباحت نہیں اور اگر وہ دانستہ قسم کھا گیا جس سے مدعی کا دعوٰے خارج ہو تو بھی نقصان نہیں۔ کیونکہ سرکاری قانون کے مطابق بھی تو عدم ثبوت کی صورت میں خارج ہونا ہی تھا۔ پھر اب بعد حلف ہوا تو کیا کچھ زیادہ نقصان تو لازم نہ آیا۔ ہاں اگر یہ سوال ہو کہ حلف کا فائدہ کیا ہوا تو اس کا جواب یہ ہے کہ حلف میں فائدہ کا احتمال بیشک ہے۔ کیونکہ حلف میں دو ہی صورتیں ہیں یا تو حلف اٹھالیگا یا انکار کرے گا۔ حلف اٹھالی تو مدعی کا حال سرکاری قانون کے برابر رہا۔ اور اگر حلف سے انکاری ہوا تو ایک صورت مدعی کے فائدہ کی ہوسکتی ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جاتے کہ اگر مدعا علیہ حلف کا اٹھانا اپنی شان کے خلاف سمجھے یا جیساکہ بعض لوگوں کی طبیعت میں داخل ہے کہ قسم کبھی نہیں کھاتے چاہے کتنا ہی نقصان ہو جاتے تو ایسی صورتوں میں عدالت اُن کو سمجھا دے گی۔ اور اُن کی جہالت اور بے سمجھی کو بدلائل اُن پر واضح کر دے گی کہ قسم کھانے میں کسر شان نہیں۔ نہ ہی کوئی شک ہے بلکہ ایک طرح سے عزت ہے کہ عدالت کے نزدیک تم ایسے معتبر ہو کہ تمہارا مقدمہ تمہاری ہی قسم پر فیصل ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے قسم تو ایک واقعی امر کا موکد اظہار ہے۔ پس اس سے انکار کرنا خصوصًا عدالت کے سامنے گویا ملزم بننا ہے ہاں اگر کوئی شخص یہ عذر کرے کہ میرے مذہب میں قسم سچی ہو یا جھوٹی ہر طرح سے منع ہے جیساکہ بعض عیسائیوں کا خیال ہے۔ انجیل میں قسم کھانے سے منع کیا ہے۔ گو

اس کے معنے صاف یہ ہیں۔ کہ خود بخود موقعہ بے موقعہ اپنے منافع کے لئے قسمیں مت کھایا کرو نہ کہ مدعی کے دعوے کی جانچ کے واسطے بھی منع ہے لیکن وہ بضد ہے کہ میں اپنے مذہب کے خلاف نہیں کر سکتا تو اس صورت میں اس سے صرف اتنا ہی کہلایا جائے گا " خدا کو معلوم ہے کہ مجھ پر اس کا دعویٰ جھوٹا ہے اتنا کہنا کسی مذہب میں منع نہیں۔ کیونکہ جتنے سچے واقعات دنیا میں ہیں۔ اُن سب کا علم خدا کو ہے پھر اس کہنے میں کیا حرج ہے۔

تیسری صورت فیصلہ کی یہ ہے جو دراصل نمبر دوئم ہے کہ اگر مدعی کے پاس بجائے دو معتبر گواہوں کے ایک گواہ ہو اور ایک گواہ کے عوض مدعی حلف اٹھائے تو اس کے حق میں فیصلہ ہو سکتا ہے اور مدعا علیہ پر ڈگری ہو سکتی ہے یہ صورت بھی سرکاری قانون میں نہیں پائی جاتی۔ حالانکہ قرین انصاف ہے کیونکہ بسا اوقات دو معتبر گواہوں میں سے ایک مر جاتا ہے یا کہیں چلا جاتا ہے جہاں سے حاضر ہونا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔ اگر حاضر ہو بھی تو رقم دعویٰ سے زائد اس کا خرچہ آمد و رفت پڑ جاتا ہے۔ تو ایسی صورت میں ایک معتبر گواہ اور مدعی کے حلف پر فیصلہ ہونا قرین انصاف ہے ورنہ مدعی کا بلا وجہ حرج ہوگا اور مدعا علیہ صرف انکار سے فائدہ اٹھائیگا۔ حالانکہ نصف شہادت موجود ہے

# صیغۂ مال

صیغۂ مال کے متعلق گورنمنٹ کی کوشش اور حسن تدبیر بیشک بہت بڑے شکریہ کی مستحق ہے گورنمنٹ نے اس امر میں جس قدر مساعی جمیلہ کی ہیں۔

نوٹ۔ قال ابو ہریرۃ قضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالیمین مع الشاھد (ترمذی) اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے مگر راقم کے نزدیک یہی راجح ہے فیہ جمع وللتفصیل مقام اٰخر

اور دل سے اس طرف متوجہ ہوتی ہے کسی اور صیغہ کی طرف اس کے برابر نہ ہوگی
حق یہ ہے کہ صیغۂ مال گذاری اس قابل ہے کہ سلطنت کی طرف سے اس پر پوری
توجہ ہو۔ کیونکہ سلطنت کا مدار کار اسی صیغہ پر موقوف ہے۔ اسی صیغہ کی
فارغ البالی اور مرفہ الحالی **گورنمنٹ** کی مرفہ الحالی کو مستلزم ہے اور اسی
صیغہ کی تنگ دستی اور نا داری گورنمنٹ کی قرضداری کی ملزوم۔ گویا یہ صیغہ
ہی گورنمنٹ ہے۔ مگر ہم بڑی خوشی اور مسرت سے اس امر کا اظہار کرتے
ہیں۔ کہ با وصف توجہ تام اور با وجود مساعی جمیلہ کے **سرکاری قانون**
**اسلامی** قانون سے عشر عشیر تو کجا۔ برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ کیا بلحاظ آسائش رعایا اور
کیا بلحاظ کم خرچی سرکار مگر **گورنمنٹ** کی توجہ اور مساعی کا یہاں پر ذکر نہ کرنا ناشکری
ہوگی۔ اس لئے پہلے اس مقابلہ دکھانے کے ہم سرکاری کاغذات کی ناظرین کو
کسی قدر نقل سناتے ہیں جن سے اُن کو سرکار کے اس صیغہ کی نسبت توجہ تام ہونے
کا علم حاصل ہو جائیگا۔ نیز بوقت مقابلہ اُن کو ہمارے دعوے کی تصدیق ہو گی۔ کہ
**اسلامی قانون** کیا بلحاظ فلاح رعایا اور کیا بلحاظ آسائش سرکار دونو جہتوں
سے افضل اور قابل عمل در آمد ہے۔

بندوبست کی مشکلات ہی کچھ کم نہیں کیا بلحاظ تکالیف رعایا کے اور کیا بلحاظ اخراجات
سرکاری کے۔ اخراجات کی یہ کیفیت ہے۔ کہ اگر اچھی طرح اطمینان خاطر سے
بندوبست کیا جائے۔ تو ایک ضلع پر قریباً چار لاکھ روپیہ خرچ ہوتا ہے
جس کا نتیجہ صرف اسی قدر ہے کہ تشخیص جمع اور تصفیہ حقوق مالکان و مزارعان
وغیرہ۔ یعنے بندوبست میں سرکار کو یہ منظور ہوتا ہے۔ کہ ہر ایک چک
بلکہ گاؤں کی مالگذاری جو سرکار کی طرف سے اُن کے ذمہ ہے اس کو
**معین** اور **مشخص** ہو کر کم از کم بیس سال تک اسی پر عملدرآمد رہے

بحوالہ صفحہ ۲۴ پر

نیز مالکان زمین و مزارعان کے حقوق کا فیصلہ ہوتا ہے۔ یعنی بندوبست کے وقت جو کچھ رواج کے بموجب مالکان کی طرف سے مزارعان کو جس قدر حصہ ملتا ہو۔ ہر ایک کا جدا جدا درج رجسٹر سرکار کیا جاتا ہے مگر پہلے حصہ کی نسبت، یعنی سرکاری مالگذاری کے متعلق تو مسل بندوبست پر پورا پورا عمل ہوتا ہے۔ کہ جس قدر جمعبندی صاحب مہتمم بندوبست ہر ایک گاؤں پر بول دیتے ہیں۔ بیس سال تک ہمیشہ اُن سے وصول ہوتی رہتی ہے، خواہ اس علاقہ میں کتنا ہی ردوبدل (بغیر بُردی برآمدی کے) وقوع میں آئے۔ گیہوں کے جگہ جو اور چنے کی جگہ باجرہ بویا جاوے یا کسی سال کسی وجہ سے زمین بالکل ہی خالی پڑی رہے تو بھی سرکار اپنی مالگذاری حسب تحریر بندوبست وصول کرے گی۔ لیکن دوسرے حصہ کے متعلق یعنی مالکان و مزارعان کے حقوق کی بابت مسل بندوبست کی پابندی ضروری نہیں۔ بلکہ اُس سے بعد اگر اور رواج حصہ رسدی کا ہو گیا ہے تو سرکار کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ کہ مزارعان کو اسی قدر دلائے جو بندوبست کے رواج تھا۔
اس کے بعد سال میں دو دفعہ (مارچ اور اکتوبر میں) پٹواریوں کو گرداوری کا حکم ہے جس سے مطلب یہ ہوتا ہے کہ زمین کے متعلق جو جو انقلابات ہوئے ہیں۔ ان کو درج رجسٹر کیا جاوے اور زمین کی حیثیت یعنی تفصیل اجناس لکھی جاتی ہے۔ اس سے بعد قریب کٹائی کے افسر مال کھیتوں کو معائنہ کر کے تشخیص پیداوار کرتے ہیں اور

نوٹ: (بقیہ ص۳۱) ہر بیس سال کے بعد بندوبست کیا جاتا ہے البتہ بنگال میں استمراری بندوبست ہو چکا ہے گو بعض سرکار کے خوشامدیوں نے اس کو توڑنا چاہا مگر محبان ملک بنگال نے سر توڑ کوشش سے اُن کی کوششوں کو چلنے نہ دیا۔ شاباش۔

† بردی برآمدی دریا کے کنارے والی زمینوں کو کہتے ہیں جن کو دریا کی وجہ سے کبھی تو فائدہ اور کبھی نقصان ہوتا رہتا ہے اس کو مجموعہ بندوبست میں شامل نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ہر سال ان کا بندوبست الگ ہوتا رہتا ہے۔

سال گذشتہ سے اس تشخیص کو نسبت لگاتے ہیں جس کا نتیجہ سردست تو نہیں مگر آئندہ بندوبست میں اس کا اثر ہوتا ہے کہ جو مالگذاری جس زمین پر لگتی ہو۔ اگر اُس زمین کی حیثیت اس عرصہ میں بڑہ گئی ہوگی۔ تو مالگذاری بھی بڑھائی جائے گی سال بعد ایک نقشہ جمعبندی بنایا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک مالک کے قطعات متفرقہ کو ایک جگہ دکھایا جاوے اور جو معاملہ مالگذاری اس کے ذمہ ہے اُس کو متعین کیا جاوے۔ اور جو جو اس کی ملکیت کے متعلق سال بھر میں انقلابات ہوتے ہیں کہ کوئی قطعہ اس نے فروخت کر دیا ہے اور کوئی نیا خرید لیا ہے ان انقلابات کو ایک جگہ دکھایا جاوے۔

اس اجمال کی تفصیل اور تعمیل کرنے میں جس قدر رعایا کو دقتیں اور سرکار کے اخراجات ہوتے ہیں۔ اُن کی پوری پوری کیفیت ہم نہیں تبلا سکتے۔ وہ زمینداروں سے دریافت ہو سکتی ہے۔ اور کسی قدر تحریری ثبوت رسالہ **"قانون پٹواریان وقانون گویان"** اور ایکٹ نمبر ۱۲ و نمبر ۱۰ سے مل سکتا ہے۔ لیکن چونکہ **گورنمنٹ** کو رعایا کی فلاح و آسودگی منظور ہے۔ اس لئے ان اخراجات اور تکالیف کی کچھ پرواہ نہیں کرتی اور جس طریق اور ذریعہ کو رعایا کی آسودگی کے لئے مفید جانتی ہے عمل میں لاتی ہے۔ لیکن رعایا کے حق میں بلحاظ مالگذاری کے جو اصل مقصود ہے ان سب تکالیف کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ یعنی جسقدر کوششیں اور سعی اس پر صرف کی جاتی ہیں۔ اُن کا نتیجہ اگر کچھ ہے تو صرف سرکار کے حق میں ہے۔ رعایا کے حق میں کچھ نہیں۔ بلکہ رعایا کے حق میں مضر ہے کیونکہ گورنمنٹ آمدنی کو خرچ سے نسبت لگاتے ہوئے ان تمام ذرائع کے اخراجات بھی جمع کرتی ہوگی۔ بعد ازاں اخراجات کے جو بچتا ہوگا۔ اُسے خالص آمدنی سمجھتی ہوگی۔ حالانکہ اگر یہ اخراجات کم ہوں۔ جیسے کہ اسلامی قانون پر عمل کرنے سے کم ہوتے

ہیں۔ جن کا ذکر آتا ہے۔ تو گورنمنٹ کو خالص آمدنی میں اضافہ معلوم ہو۔ تو عجیب نہیں کہ تبر ترحم خسروانہ مالگذاری میں بھی تخفیف کردے۔ حالت موجودہ میں سرکار اپنی تحریر کے مطابق زمین کی پیداوار کے ربع کی مستحق ہے۔ مگر نہ ایسی کہ ہر سال ربع پیداوار وصول کرتی ہے بلکہ بندوبست بیس سالہ میں گذشتہ بیس سالوں کی اوسط نکالی جاتی ہے۔ قحط۔ ٹڈی دل۔ کمی، آبپاشی وغیرہ آفات ارضی وسماوی کا لحاظ رکھ کر پیداوار بیس سالہ کا اندازہ لگایا جاتا ہے اور آئندہ کو اس پر قیاس کرکے قریب قریب ربع پیداوار کے مالگذاری متعین ہوتی ہے۔ پٹوار، سڑک تعلیم وغیرہ جن کو لوکل ریٹ کہا جاتا ہے۔ غالباً اسی میں شامل ہوتے ہیں۔ مگر نہر کی آبپاشی اور کنوؤں کا آبیانہ الگ ہوتا ہے۔ بلکہ نہروں اور کنوؤں سے زمین کی حیثیت میں اگر ترقی ہوتی ہے تو اس پر ایک ٹیکس بصیغہ خوش حیثیتی بڑھایا جاتا ہے۔ اس امر کا ثبوت کہ گورنمنٹ اپنے آپ کو ربع کی مستحق سمجھتی ہے بلکہ لیتی ہے مفصلہ ذیل ہے۔

"تشخیص کا عام اصول قابل عملدرآمد کے یہ ہے کہ سرکار کا مطالبہ زمین محال کی نصف پیداوار خالص کی مالیت تخمینی سے یعنی جس قدر حصہ پیداوار کسی زمین کا صاحب زمین کو نقد یا بذریعہ جنس کے ملتا ہے اس حصہ کے نصف سے زیادہ نہ ہوگا۔" (سرکلرات مال جلد اول صفحہ ۳۰۴ مطبوعہ ۱۸۹۸ء)

ملک پنجاب کے اکثر اضلاع میں افسر تشخیص کنندہ کو زیادہ تر ان زمینوں سے واسطہ پڑتا ہے جو مالکان خود کاشت کرتے ہیں یا وہ رعیت جو مالکان کو حصہ پیداوار دینے میں کاشت کرتے ہیں۔ اس وقت سے رفع کرنے کے لیے تخمینہ جات پیداوار مندرجہ نقشہ (د) مجوزہ قواعد

زیر ایکٹ مالگذاری ۱۸۷۱ء مطلوب تھے۔ مگر یہ نقشہ کئی سال گذشتہ سے بیکار سمجھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ نقشہ اس غلط قیاس پر مبنی تھا۔ کہ کسی ضلع یا علاقہ کی کل اجناس کی مالیت کا ششم حصہ یا کوئی حصہ معینہ معاملہ کی تشخیص کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ اس غلط اصول کو گورنمنٹ ہند نے کبھی تسلیم نہیں کیا بلکہ جو ہدایات ہر ایک بندوبست کے لئے زیر دفعہ ۹ ایکٹ مالگذاری ۱۸۷۱ء منظور ہوتی رہیں۔ اُن میں سے بیں گاہ گورنمنٹ سے تخمینہ نصفی* محاصل بطور اندازہ کے مقرر ہوا۔ ایضاً (صفحہ ۴۰)

پنجاب میں عموماً معاملہ زمین کی تشخیص محال دار ہوتی ہے اور معاملہ زمین کی بابت جو مستقل رقم مقرر کیجاتی ہے۔ اس کی ترمیم بیس سے تیس سال کے عرصے کے بعد ہوا کرتی ہے۔ تشخیص کا اصول یہ ہے۔ کہ چند سال کی اوسط کے حساب سے جو لگان زمین کا نکلے۔ اس کا نصف سرکار بطور معاملہ زمین کے لیتی ہے اور باقی نصف مالک زمین کے واسطے چھوڑتی ہے۔ کئی حالات مفید اور غیر مفید کی وجہ سے جن کا اثر محالات زرعی پر پڑتا ہے۔ معاملہ زمین کے مطالبہ کا واقعی نپتہ قاعدہ مقررہ مذکورہ کے مطابق عموماً قائم نہیں رہتا۔ مفید حالات کی صورت میں مثلاً جب پیداوار کثرت سے ہو یا نرخ گراں ہو جاوے۔ یا کاشت یا آبپاشی میں ترقی ہو تو مالک زمین کو لگان کے نصف سے زیادہ وصول ہو گا۔ حالانکہ اگر

* تعجب ہے کہ باوجود اس سنگینی معاملہ کے لاہور کا انگریزی اخبار "سول" اگست اور ستمبر ۱۹۰۱ء کے پرچوں میں معاملہ اراضی کے ڈیوڑھا کرنیکا بڑے زور سے گورنمنٹ کو مشورہ دیتا ہے یا تو اسے اصلی اندازہ پر اطلاع نہیں یا "گر درآید ترا ہر روز گنجے" پر عمل کرانا چاہتا ہے۔ منہ ۱۲

معاملہ مستقل مقرر نہ ہوتا تو وہ نصف سے زیادہ کا مستحق نہ ہوتا۔ غیر مفید حالات کی صورت میں مثلاً جب بوجہ پڑنے ٹڈی دل کے یا بوجہ ژالہ زدگی کے یا طغیانی کے فصل بالکل تلف ہو جاتے یا اس کو کچھ نقصان پہنچے یا بارش سے کم یا بے وقت یا بکثرت ہونے کی وجہ سے فصل ماری جاوے یا جب انسانوں یا مویشیوں میں وبائی مرض پھیلنے کے امور کاشتکاری میں حرج واقع ہو یا کسی اور طرح سے محال کی بہبودی میں فرق آئے تو مستقل مطالبہ لگان کے نصف سے جسکی گورنمنٹ مستحق ہے بہت بڑھ جاتا ہے اور جب کوئی سخت آفت پڑے۔ جب خراب موسم متواتر واقع ہوں۔ یا قحط پڑے یا موسم طغیانی ہو یا وسائل آب پاشی معدوم ہو جائیں تو سالم محال یا اس کا بہت بڑا حصہ خراب یا افتادہ ہو جاتا ہے۔ یعنی محال ایسی حالت میں ہو جاتا ہے جو اس حالت سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جس کی موجودہ بنیاد پر موجودہ تشخیص قائم کی گئی تھی۔ ایضاً صفحہ ۳۶۹

اس احسان کی وجہ کہ سرکار ربع پیداوار یا مالک کے محاصل کے نصف پر کیوں قناعت کرتی ہے اور اس سے زیادہ کیوں نہیں لیتی۔ گورنمنٹ خود اظہار فرماتی ہے:۔

" تشخیص مستقل سے جو یہ دو متضاد نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ ان پر پوری پوری غور ہونے سے وہ فائدہ مند نتیجہ حاصل ہو سکتا ہے جو قاعدہ مذکور سے مقصود ہے۔ سابقہ عملداریوں کی نسبت جواب بہت زیادہ فائدہ مالک زمین کے لئے چھوڑا گیا ہے۔ اس کی خاص غرض منجملہ دیگر اغراض کے یہ ہے کہ معمولی اور اوسط درجہ کی جو مصیبت آن پڑے

اس کا سامنا وہ آپ ہی کر سکیں اور سرکار سے اس کی بابت مدد لینے کی خواہش نہ کریں۔ ایضاً صت ۲۱۰

**اسلامی قانون** کی رو سے نہ تو بندوبست کی تکلیفات ہیں۔ نہ کسی اور اخراجات کا تحمل کرنا پڑتا ہے۔ نہ رعیت پر بلاوجہ تکالیف شدید کا بوجھ پڑتا ہے صرف مارچ اور اکتوبر کی گرداوری اور تشخیص کافی ہے کیونکہ **اسلامی قانون** کے بموجب زمین کی پیداوار اگر بارانی اور بلا کسی اخراجات آبپاشی کے ہے تو کل پیداوار کا عشر یعنی **دسواں** حصہ سرکار کا حق ہے اور اگر بارانی نہیں بلکہ زمینداروں کو آبپاشی کے اخراجات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ جیسے کنوؤں اور نہروں وغیرہ کے آبپاشی اور اخراجات۔ تو ایسی اراضی کی پیداوار کا **بیسواں** حصہ[1] سرکار کا حق ہے

[1] سن فی ما سقت السماء والعیون او کان عشریا العشر و فیما سقی بالنضح نصف العشر (ترمذی وغیرہ) خراج اور عشر کی تدلیق میں کوئی حدیث مرفوع کتب متداولہ میں نہیں ملتی جس سے یہ معلوم یا مفہوم ہو سکے کہ اسلامی رعایا پر عشر ہے اور غیر اسلامیوں سے کم و بیش جس حدیث کو ہم نے اپنی دلیل سمجھ کر نقل کیا ہے وہ سب اراضی پر شامل ہے۔ امام بخاری وغیرہ نے بھی اس کا مفہوم عام قرار دیا ہے جیسا کہ تخریج زیلعی میں مرقوم ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کا فعل مندرجہ ہدایہ وغیرہ بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ زمیوں سے اسی حدیث کے مطابق دسواں حصہ ہی لیا جاوے۔ کیونکہ حضرت موصوف نے سواد عراق پر فی جریب (قریباً بیگھہ) ایک درہم (آجکل کے حساب سے قریباً مساوی ۳/۱) اور ایک قفیز جو بقول صاحب ہدایہ ایک صاع قریباً دو اڑھائی سیر ہوتے ہیں اور کھجور برسات درہم اور انگوروں وغیرہ پر دس دس درہم مقرر فرمائے تھے جسکی وجہ خود شراح ہدایہ فتح القدیر وغیرہ نے یہ بتلائی ہے کہ چونکہ کھجوروں وغیرہ تنہ دار درختوں پر اخراجات کم ہوتے ہیں اور فائدہ کثیر۔ اس لئے ان پر زیادہ مقرر کیا گیا۔ ایسی تعیین ہمارے ملک سے

پھر اس میں بھی اتنی رعایت ہے کہ گرداور افسر مال کو حکم ہے کہ تشخیص کرتے ہوئے تہائی کی رعایت کریں۔ اگر ان کی سمجھ میں تشخیص بالکل درست اور قابل اعتماد ہو

**بقیہ حاشیہ ص ۳۷۔** کہ اسلام میں ہوتی بھوئی کا دسواں بیسواں حصہ مقرر ہے مخالف نہیں اس لئے کہ خراج دو قسم پر ہے۔ ایک موظف (مقرر) اور ایک غیر موظف اگر رعایا تقاضا کرے۔ کہ ہم پر خراج موظف کیا جائے تو ان پہ موظف کر دینا بھی جائز ہے لیکن نسبت اُس میں وہی دسویں یا بیسویں حصے کی ملحوظ رہیگی۔ اور اگر ہم اس حدیث پر غور کریں جس کا مضمون یہ ہے کہ یذلوا اموالھم لیکون دماؤھم واموالھم کدمائنا واموالنا (یعنی ذمی اسی لئے جزیہ وغیرہ دیتے ہیں کہ اُن کے خون اور مال ہمارے خون اور مالوں کی طرح ہوں۔ تو اور بھی مساوات کا خیال قوی ہو جاتا ہے نیز فقہاء کا یہ مسئلہ کہ موات اراضی (بنجر) کو آباد کرنے سے جیسا مسلمان مالک ہو جاتا ہے۔ ذمی بھی مالک ہو جائیگا (قدوری) ہماری تائید میں ہے بعض صاحبوں (مثل صاحب ہدایہ وغیرہ نے) خراج کی غایت تحدید نصف پیداوار تک بھی لکھی ہے۔ مگر اس دعوی پر کوئی نقلی دلیل نہیں لکھی۔ بعض زندہ کرمفرماؤں نے نصف تک خراج لئے جانے پر یہودیان خیبر کے معاملہ کی طرف توجہ دلائی کیونکہ یہودان خیبر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف بٹائی پہ زمینیں عطا کی تھیں۔ مگر میری رائے ناقص میں خیبر کے معاملہ کو خراج کہنا صحیح نہیں۔ بلکہ وہ مزارعت تھی۔ یعنی مالکان اراضی نے مزارعوں کو نصف بٹائی پہ دی تھی۔ اس لئے کہ اگر خراج ہوتا تو حسب دستور نصف پیداوار داخل خزانہ بیت المال کیا جاتا جو خراج کا بدستور ہے۔ نہ کہ صحابہ غانمین لیتے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوتا تھا بلکہ غانمین اپنے اپنے علاقوں کی تحصیل کرتے تھے۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے حصہ کو وقف کر دیا تھا اور وقف نامہ میں یہ لفظ صریح مرقوم تھے۔ کہ اس زمین کی پیداوار فلاں بن فلاں مصرف خیر میں صرف ہو

تہائی کی نہ کریں تو چوتھائی کی تو ضرور ہی تخفیف کریں۔ مثلاً کسی اراضی میں سومن دانہ اندازہ ہو تو تینتیس من چھوڑ دیں۔ یعنی سرسٹھ من دانہ سے دسواں یا بیسواں حصہ زمیندار کے نام لکھیں۔ اور اگر ۳۳ فیصدی نہ چھوڑیں تو ۲۵ فیصدی کی رعایت تو ضروری کرنی ہوگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سومن میں دسویں حصے کی حساب سے اگر دس من ہوں گے۔ تو تخفیف سے اگر ثلث کی ہو تو ساڑھے چھ اور اگر ربع کی ہو تو ساڑھے سات من رہ جائے گی۔ اگر بیسویں حصے والی زمین ہے۔ تو اس کا نصف اندازہ کرلیں۔ اس صورت میں حصے سرکاری کی کمی کے علاوہ نہ تو سرکار کو اخراجات کثیرہ کا متحمل ہونا پڑتا ہے اور نہ ہی رعیت کو بیجا تکلیف محاصل کے دینے دلانے میں یا افسروں کی جمعبندی یا بندوبست کرنے میں برداشت کرنی پڑتی ہیں جسمیں رعایا کی بہبودی اور آسائش ہر طرح نمایاں ہے کاش کہ گورنمنٹ بھی جو ہر ایک مفید مشورہ کے ماننے کو ہر وقت طیار ہے۔ اسی پر عمل کرے ؏ گر قبول افتد زہے عز و شرف

**بقیہ حاشیہ ص۳۸۔** (صحیح بخاری وغیرہ) علاوہ اس کے خود حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں فرمایا تھا۔ کہ اگر مجھے یہ خوف نہ ہو کہ پچھلے مسلمان غنیمت کے مال سے بے نصیب رہ جائیں گے۔ تو میں بھی جس زمین کو فتح کرتا غانمیوں پر تقسیم کر دیتا جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم کر دیا تھا۔ پس ان وجوہ سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خیبر کی بٹائی خراج نہ تھی بلکہ حصہ مزارعت تھا۔ پس فقیر کے نزدیک خراج اور عشر میں بلحاظ نسبت پیداوار کوئی فرق نہیں۔ ہاں نام جدا جدا دینے والوں کی حیثیت سے ہیں مسلمانوں سے بطور زکوٰۃ لیا جائے گا اور کفار سے بطور ٹیکس۔ جیسا کہ مال تجارت میں فقہاء کی تصریحات موجود ہیں۔ پس ان دونوں (عشر اور خراج) کے لئے مصارف کا الگ الگ ہونا بھی ہمارے دعوے سے مخالف نہیں۔

واللہ اعلم وعلمہ اتم

# التوائے معاملہ

قحط سالی (اعاذنا اللہ منہ)† یا دیگر ہمچو قسم آفات ارضی و سماوی سے اگر کسی اراضی کی پیداوار ماری جاوے تو اس صورت میں سرکاری معاملہ جو زمینداروں سے واجب الوصول ہوتا ہے اس کی نسبت گورنمنٹ نے حسب ذیل قواعد مقرر کئے ہیں:۔

## التوائے معاملہ

التوائے معاملہ زمین کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں یعنی ناگہانی فصل بوجہ ٹڈی دل یا ژالہ زدگی یا سخت طغیانی یا دیگر ہمچو قسم آفات ناگہانی (۲) کمی یا کثرت بارش یا بارش کا بے وقت ہونا یا آبپاشی یا موسمی سیلاب کا نہ ہونا یا نقصان بوجہ ریگ مار۔ ان دو صورتوں میں سے پہلی صورت میں رونیو (مالی) افسر کا مقدم فرض یہ ہے کہ ہر ایک کھاتہ کی نسبت فوراً یہ دریافت کیا جائے کہ فصل کا کسقدر نقصان ہوا ہے اور اس کھاتہ کا کل پیداوار سالانہ کی مالیت سے فصل مذکور کی مالیت کو کیا نسبت ہے۔ اس قسم کی آفات کی تحقیقات میں یہ دریافت کرنا ضرور نہیں ہے کہ محال کے قدرتی فوائد کیا ہیں؟ اور صورت کاشت اور قبضہ ملکیت کس قسم کا ہے۔ یہ آفات اس قسم کی ہیں کہ ان کی نسبت پیش بینی نہیں ہو سکتی۔ جس قدر زراعت عمدہ ہوگی۔ اسی قدر نقصان زیادہ ہوگا۔ یہ نقصان زیادہ رنج کا باعث ہوگا۔ اس قسم کی کل آفات خصوصاً ژالہ زدگی قلیل عرض کے رقبہ پر دور تک سیدھی زمین میں ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اسی سبب سے عموماً پایا جائے گا کہ نہ صرف

† قحط سے خدا ہم کو پناہ دے۔ ۱۲

محالات طحقہ میں بلکہ ایک ہی محال کے کھاتوں میں یکساں نہیں ہوا۔ ایضاً پیرا ۲۸۔ اس قسم کی صورتوں میں کبھی مناسب نہ ہوگا کہ کسی سالم محال کی فصل حال کے کل معاملہ یا اس کے کسی حصہ کی بابت التواء کی رپوٹ کی جاوے۔ جو رپورٹیں کی جاتی ہیں۔ وہ ان اندازجات کی بنیاد پر ہونی چاہئیں جو خسرہ گرداوری میں ہر ایک کھیت کی بابت کئے ہوں۔ بعد اس کے کھاتہ وار نتیجہ پر غور کیا جائے گی اور جس قدر کل کھاتوں کے التواء کی میزان ہو۔ اس قدر رقم کی بابت کل محال کے التواء کی رپورٹ کی جائے گی۔ التواء ضروری کے معلوم کرنیکا معمولی طریقہ یہی ہوگا۔ اور اس سے صرف اس صورت میں انحراف کیا جائیگا جب گاؤں کے کل رقبہ کا نقصان ہوا ہو۔ دوسری قسم کی آفات سے یعنی بارش باراں کی خرابی سے یا آبپاشی یا موسمی سیلاب کے نہ ہونے سے عموماً سالم محالات کو نقصان پہنچیگا۔ سیلاب یا آبپاشی کے نہ ہونیکی صورت میں محال کے حصہ ہائے معین الحدود کو نقصان پہنچیگا۔ یعنے اُن حصص کو جنکی حدود اور خاص حالات محال کے نقشہ شجرہ اور کاغذات سالانہ اور لال کتاب میں درج ہوں گے۔ اگر سالم محال کو نقصان نہ پہنچے تو سالم محال کی نسبت تجویز کرنے کی بجائے صرف کھاتہ ہائے نقصان رسیدہ کی نسبت تجویز ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ ژالہ زدگی کی صورت میں قرار پایا ہے۔ ظاہر ہے کہ التواء کی رپورٹ اور اس کا فیصلہ اگر ممکن ہو تو فصل کے کاٹنے اور اٹھانے سے پہلے ہو جانا چاہیئے۔ اس دوسری قسم کی آفات کی نسبت تجویز کرنے میں ایک اور بھاری فرق کا لحاظ رکھنا چاہیئے۔ کہ گاؤں کی تشخیص کے وقت کوئی رونیو (مالی) افسر اُس نقصان کا کچھ لحاظ نہیں کرتا۔ جو ژالہ زدگی یا ٹڈی دل سے غالباً ہونیوالا

ہو لیکن مقامی بارش یا موسمی طغیانی یا غیر معین آبپاشی کے سبب ٹھکانا ہونے کا بارہا بلکہ عموماً بلحاظ کیا جاتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ دوسری قسم کی آفات کی صورت میں تشخیص کی تجزیہ شدہ وجوہات پر احتیاط سے غور کی جائے اور جس زمین پر آفات کا اثر پہنچا ہو۔ اس زمین کے معاملہ کے پرتہ کا مقابلہ اس قسم کی اراضیات یا محالات ملحقہ کے پرتہ سے کیا جاوے۔ اس کے بعد اگر یہ معلوم ہو کہ امور کاشتکاری کے سبب ٹھکانا ہونیکا لحاظ رکھکر پہلے ہی تشخیص کم تجویز ہوئی تھی۔ تو جائز ہوگا۔ کہ بلالحاظ حال کی تکلیفات کے اس کم تشخیص کے وصول کرنیکا تدارک کیا جاوے یا غایت درجہ معاملہ کا التواء اس صریح شرط پر کیا جاوے کہ معاملہ ملتوی شدہ آخر کار ادا کرنا ہوگا۔ بعض صورتوں میں گو فصل کے سبب ٹھکانہ ہونے کے لحاظ سے کم پرتہ لگایا گیا ہو۔ تو بھی اس امر پر غور کرنا ضروری ہوگا۔ کہ نقصان اس سے زیادہ ہوا یا اس سے زیادہ قطعوں پر ہوا جتنا افسر تشخیص کنندہ نے خیال کیا تھا۔ صاحب کلکٹر کو اس امر پہ نتیجہ قائم کرنے میں نقشہ جنسوار سے مدد ملے گی۔ اور مزید برآں صاحب موصوف کو اپنی تحقیقات اور ملاحظہ زمین نقصان رسیدہ سے بھی مدد ملیگی۔ اگر صاحب کلکٹر کو اطمینان ہو جائے کہ نقصان درحقیقت ہوا ہے اور نقصان رسیدہ زمین کا منافع بہت کم ہوا جس قدر کہ تشخیص کرتے وقت خیال کیا گیا تھا تو مطالبہ حال کے جزو کا التواء مناسب ہوگا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ صاحب رونیو (مالی) افسر آفات متعلقہ زراعت کے نقصان کی تحقیقات کے وقت اس سے زیادہ معاملہ کے التواء کی تجویز کرنے پہ مائل ہوتے ہیں جسقدر کہ فصل ہائے تلف شدہ یا زمین نقصان رسیدہ کی بابت

واجب الطلب ہوتا ہے۔ گو یہ قاعدہ مقرر نہیں کیا جاتا۔ کہ اس قسم کی رعایت بالکل نہ کی جاوے۔ الا صاحبان فنانشل کمشنر قرار دیتے ہیں۔ کہ جو اختیارات بروئے قاعدہ ہذا رونیو (مالی) افسر کو التوائے معاملہ کے باب میں دیئے گئے ہیں۔ ان سے یہ مراد ہے کہ صرف اس قدر معاملہ کے التوا کی تجویز کیا کریں جو ٹھیک حساب سے فصل یا زمین نقصان رسیدہ کی بابت واجب الادا ہو۔ معاملہ مذکور کی مقدار صاحب رونیو (مالی) افسر ہر صورت میں روئداد کے مطابق تجویز کریں گے اور صاحب موصوف کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے سے اس مقدار سے زیادہ التوا تجویز کریں۔ جو فصل یا زمین نقصان رسیدہ کی بابت واجب الطلب ہو۔ اگر اس سے زیادہ التوا مطلوب ہو تو صاحب فنانشل کمشنر کے صدور حکم کے لیے رپورٹ کرنی چاہیئے۔ ایضاً صفحہ ۲۷۲

جس محال میں تشخیص کے بعد زمین زیادہ کاشت ہو گئی ہو۔ وہاں یہ ترقی کاشت اس امر کے لیئے کافی وجہ ہوگی۔ کہ جس آفت کا اثر گاؤں کے صرف ایک حصہ پر پہنچا۔ اس کی بابت التوا کی تجویز نہ کی جائے بشرطیکہ کھاتہ ہلئے نقصان رسیدہ کو ترقی کاشت کا فائدہ پہنچا ہو۔ مثلاً حال میں ایک مقدمہ صاحب فنانشل کمشنر کے سامنے پیش ہوا جس میں ایک بڑے گاؤں کی فصل کا ایک حصہ ژالہ زدگی سے تلف ہو گیا تھا۔ ہر ایک کھاتہ کا نقصان حسب ضابطہ دریافت کیا گیا۔ معلوم ہوا کہ مالکان کو بوجہ ترقی کاشت کے نقصان مجرا دے کر بھی اس رقبہ سے زیادہ رقبہ کی پیداوار حاصل ہوئی۔ جس رقبہ کی پیداوار ان کو بوقت تشخیص حاصل ہوا کرتی تھی۔ اور جس کی بنیاد پر تشخیص حال عمل میں آئی تھی۔ چونکہ تشخیص واجبی تھی۔

اس لئے گو نقصان نتائجہ بھاری معلوم ہوتا تھا۔ مگر بمقابلہ تشخیص واجبی کے التوائے معاملہ کے لئے کافی نہ تھا۔" (ایضاً صفحہ ۳۰۴)

**اسلامی قانون** میں چونکہ ہوئی بھوئی کا اصول ہے یعنی پیداوار کا حصہ لیا جاتا ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اگر پیداوار نہ ہو تو جہاں رعیت کا نقصان ہوا سرکار بھی اس کی شریک نقصان ہوگی۔ اس لئے جیسی تکلیف یا آفت ہو ویسی ہی معافی ضروری ہوتی ہے۔ اگر کل پیداوار پر آفت ہو تو کل معاملہ سرکاری معاف ہوگا۔ اور اگر کسی حصہ پر آفت پہنچے تو اسی حصہ کے موافق معاملہ نہ صرف ملتوی رہے گا۔ جو واجب الادا سمجھا جاوے۔ بلکہ بالکل معاف ہی کیا جاوے جو مصیبت زدوں کے حسب حال ہے۔

کچھ شک نہیں کہ گورنمنٹ کو اپنی غریب رعایا سے وہی نسبت ہے جو حقیقی ماں کو اپنے بچوں سے ہوتی ہے۔ اسی لئے گورنمنٹ اپنی رائے متعلق مالگذاری مطبوعہ سنہ ۱۹۰۲ء میں رعایا پروری کا خود اظہار فرماتی ہے:۔

چونکہ جماعت زراعت پیشہ براعظم ہند کی کل آبادی کا جزو اعظم ہے اور نیز ہندوستان کے مالیہ کا بہت بڑا حصہ ادا کرتی ہے۔ اس لئے ممکن نہیں کہ گورنمنٹ کو اُن کی بہبودی کا تہ دل سے خیال نہ ہو اور اس امر سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اوسط محاصل مالگذاری اراضی پر ان جماعتوں کی خوشحالی کا بڑا مدار ہے پس اس معاملہ کو ایک نہایت اہم قومی معاملہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ کسی خاص فریق یا فرقے کے باہمی تنازعات تک محدود نہیں اور اس امر کا مقتضی ہے کہ اسکی نسبت نفس الغرض نہایت کامل غور و خوض کی جاوے اور بڑی کشادہ دلی سے اسکے متعلق کارروائی ہو۔

اسی کتاب کے صفحہ ۹ پر فرمایا ہے :-

(۴) اگر خشک سالی کے لازمی نتائج کو قطعی طور پر روکنا امرِ محال ہے۔ تاہم ان نتائج کے اثر کو کم کرنا مرجحاً ایک ایسا امر ہے کہ گورنمنٹ کو اس پر نہایت غور سے توجہ کرنی چاہیئے۔ ممکن نہیں کہ گورنمنٹ کی یہ خواہش نہ ہو۔ کہ تشخیص مالگذاری منصفانہ طریق پر کی جاتے اور اس کی اوسط مناسب نکلے اور زمین کے مالک یا کاشتکار کیلئے جیسی کہ صورت ہو) اس قدر گنجائش منافع کی چھوڑی جائے کہ وہ معمولی موسموں میں کسی قدر پس انداز کر کے غیر معمولی مصائب کا بوجھ اُٹھا سکے۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۶ پر فرمایا ہے :-

جو لوگ تشخیص مالگذاری کی اصلیت سے واقف ہیں۔ وہ بخوبی جانتے ہیں کہ افسران مہتمم بندوبست کا روز بروز اس امر کی طرف میلان بڑھ رہا ہے، کہ مالگذاری کو نرم کیا جائے۔ اور اس میلان کی تائید گورنمنٹ کے مسلّمہ اصُول انتظام سے ہوتی ہے اور اس اصول کے مائل بہ نرمی ہونیکا قطعی ثبوت یہ ہے کہ مطالبہ سرکار میں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا ہے۔ تبدریج تخفیف ہورہی ہے جس قدر گورنمنٹ کے افسران کو لوگوں سے زیادہ واقفیت ہوتی ہے اور جس قدر ان کا باہمی میل جول بڑھتا جاتا ہے اسی قدر کم تشدد کی اُمید سرکاری مطالبہ وصول کرنے میں ہو سکتی ہے عہدہ داران سرکاری کو لوگوں کے ساتھ اس قدر گہرے تعلقات رکھنے کا موقع کسی سرکاری کام میں نہیں ملتا۔ جیسا کہ بندوبست کے کام میں ملتا ہے اور ان عہدہ داروں کی کبھی یہ خواہش نہیں ہو سکتی کہ ان لوگوں کو رنجیدہ کریں جن میں وہ اپنی زندگی کا ایک نہایت جفاکش حصہ بسر کرتی

ہیں یا یہ کہ ایسا بندوبست جاری کریں جو تھوڑے سے ہی عرصے کے بعد چل نہ سکے۔ میلانِ فطرتی اور نیز گورنمنٹ عالیہ ہند کے جدید احکام اس امر کے مقتضی ہیں کہ تشخیص مالگذاری معقول اور اعتدال پر ہو۔

اِن معقول وجُوہ اور عدالتی تجربہ سے ہمیں امید بندھتی ہے کہ گورنمنٹ عالیہ کسی نہ کسی روز نہ صرف صیغہ مالگذاری میں بلکہ جملہ قوانین میں **اسلامی قانون پر عمل** پیرا ہو جائے گی۔

**دُعا**:۔ اے خدا دُنیا کے اصلی مالک اور حقیقی بادشاہ دلوں پر قبضہ تام رکھنے والے آقا ہم عاجز مل کا کام جو تھا کہ ہم گورنمنٹ کے گوش گذار کریں وہ تو ہم نے کر دیا۔ اب اس سے آگے تیرا کام ہے کہ تو گورنمنٹ کے دل پر اسلامی قانون کی خوبی کا سکہ جما۔ اور اس سے عمل کرا کر اپنے عاجز بندوں کو فائدہ پہنچا۔

آمین یا ربّ العٰلمین

---

# عطائے اراضی

عطاء اراضی سے جاگیر دہی یا کچھ قسم مراد نہیں بلکہ وہ عطاء اراضی مُراد ہے جو آجکل پنجاب میں ضلع جھنگ وغیرہ میں نہر چناب پر ملتی ہیں۔ اس کے متعلق گورنمنٹ نے مختلف مراتب تجویز فرمائے ہیں۔ آباد کار۔ زمیندار۔ **متمول**

آباد کاروں سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنے ہاتھ سے کاشت کرتے ہیں۔ زمیندار مالکان اراضی وہ ہیں۔ جن کی ملکیت میں اراضی ہو اور مزارعان سے کاشت کراتے ہوں۔ متمول وہ لوگ ہیں جن کا پیشہ زمینداری نہ ہو مگر مالدار ہوں۔ آباد کاروں کو فی کس

ایک مربع* ملتا ہے ۔ زمینداروں کو چار پانچ مربعے مل سکتے ہیں. متمولوں کو بیس
تک بھی مل جاتے ہیں۔ آبادکاروں کو حسب ضرورت تقاوی (امداد سرکاری) بھی
دیجاتی ہے. جو بعد استطاعت وصول کیجاتی ہے اور زمینداروں سے مبلغ
چھ روپے فی ایکڑ بطور نذرانہ نصف قبل از دخلیابی اور نصف پانسال بعد لیا جاتا ہے
اور متمول اگر دس مربع تک لے تو فی ایکڑ مبلغ دس روپیہ اور اگر پندرہ سے تو
مبلغ پندرہ روپیہ اور اگر بیس کی درخواست کرے تو فی ایکڑ مبلغ بیس روپیہ بطور
نذرانہ لیا جاتا ہے ۔ اور معاملہ تینوں قسموں سے اول سال کا تمام اور دوسرے سال کا
نصف معاف. آئندہ کو جو وقتاً فوقتاً مقرر ہو۔ لیا جاتا ہے بعد پانسال کے زمین
قابضوں کے پاس فروخت ہوتی ہے۔ جس کی قیمت حسب اشتہار گورنمنٹ
خوش حیثیتی و معاملہ زمین اور مالکانہ مجوزہ کی اعلےٰ ترین شرح سے دس گنا رقم
کے برابر ہوگی۔ جو تخمیناً ۵۰ فی ایکڑ کے قریب ہوتی ہے اور یہ زرثمن پانچ اقساط
میں وصول کیا جاتا ہے جن میں چار آخری اقساط پر سود بحساب ۶½ فیصدی
تاریخ خرید سے واجب الادا ہوتا ہے۔ (فروخت شرائط متمول دفعہ ۱۰) اگر قابض
اراضی اتنی قیمت نہ دے تو مالک متصور نہ ہوگا۔ بلکہ بحیثیت مزارع موروثی سرکار
کی طرف سے قابض رہیگا۔ علاوہ اس کے اور کئی قسم کی شرائط ہیں جو طول طویل
ہونیکے باعث نقل نہیں کر سکتے۔ گورنمنٹ کو یہ بھی اختیار ہے کہ کسی شرط کی
عدم تعمیل پر عطیہ واپس کر لے۔ سڑکوں اور نہروں کے واسطے بلا کسی معاوضہ کے
اراضی بلا عذر دینی ہوگی۔ اور اگر کوئی شخص ابتداء سے مالکانہ قبضہ چاہے
تو نیلامی میں جو قیمت مقرر ہو اس پر دی جاتی ہے جو فی ایکڑ مبلغ دوسو روپیہ
تک بھی فروخت ہوتی ہیں۔ غرض جس قیمت پر رعایا آپس میں خرید و فروخت

* ایک مربع ۲۵ ایکڑ کے برابر ہوتا ہے ۔

کرتی ہیں۔ اُسی قیمت پر سرکار سے مِل سکتی ہے۔

**اسلامی قانون** عطاء اراضی کی بابت بالکل آسان ہے۔ ارشاد ہے کہ "جو کوئی کسی ویران زمین کو آباد کرلے وہ بلا کسی معاوضہ یا نذرانہ کے اسی کی ملک ہے" حاکم کی اجازت بھی محض رفع تنازعات کے لئے ہے ورنہ وہ بھی ضروری نہیں نہ کوئی نذرانہ پیشگی سے مابعد۔ نہ کوئی قیمت ہے نہ لگان۔ گورنمنٹ نذرانہ بھی حسب حیثیت لیتی ہے اور مالکانہ بھی۔ اور بعد چند سال کے جب اراضی کی حیثیت زمینداروں کی محنت سے ترقی کر جاتی ہے۔ تو زرلگان بھی وصول کرتی ہے اور کئی قسم کی شرائط لگاتی ہے۔ بلکہ دن بدن شرائط میں شدت کیجاتی ہے۔ پس اس مقابلہ کی ہم شرح کیا کریں۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب۔ ہاں اتنا عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر اسلامی قانون کے مطابق گورنمنٹ اراضی عطا کرتی۔ تو آجتک کل علاقہ نہر چناب وغیرہ سرسبز و شاداب ہوا نظر آتا جس سے رعایا مستفید ہوتی اور گورنمنٹ کو بھی فائدہ ہوتا۔ گو گورنمنٹ نے تو اپنا فائدہ نذرانوں اور قیمتوں کے ذریعے پورا کر لیا۔ مگر رعایا کو وہ فوائد حاصل نہ ہوئے جو اسلامی قانون پر عمل کرنیکی صورت میں گورنمنٹ سے مِل سکتے تھے۔ اسی لئے گورنمنٹ کے حضور باادب ہماری درخواست ہے کہ وہ **اسلامی قانون** کو معمول بہ بنا دے اور خدا کی جناب میں دعا ہے کہ گورنمنٹ کے دل میں اسلامی قانون کی خوبی بٹھا دے تو پھر گورنمنٹ کو اُن کے رواج دینے میں ذرہ بھی تامل نہ ہوگا۔ کیونکہ ہماری گورنمنٹ کوئی مذہبی گورنمنٹ نہیں بلکہ ایک مہذب حکمران گورنمنٹ ہے جو خُذ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدِرَ[2] پر پوری عامل ہے۔

---

[1] من احیی ارضا میتۃ فھی لہ (حدیث ترمذی وغیرہ)

[2] صاف صاف لیلو اور میلا گدلا چھوڑ دو۔ (اخلاقی مقولہ ہے)

# معدنیات کا نہائیے

معدنیات جس زمین سے برآمد ہوں۔ اُن کے متعلق گورنمنٹ کا قانون یہ ہے۔

تمام کانیں دھات اور کوئلے کے اور تمام تیل جو زمین سے نکلتا ہے اور ملائی ریگ ازاں سرکار مقصود ہوں گے اور سرکار کو وہ سب اختیارات حاصل ہوں گے جو حق مذکورہ سے واجبی فائدہ اٹھانے کے لیئے ضرور ہوں (ایکٹ نمبر ۱۷ دفعہ ۱۴)

یعنے جس قدر کانیں وغیرہ از قسم معدنیات کسی اراضی میں ظاہر ہوں گی وہ سب سرکار کی ملک ہیں۔ ہاں اس زمین پر اگر دوامی قبضہ سرکار نے کیا تو بنظر ترحم خسروانہ مالک اراضی کو اصل قیمت دی جائیگی۔

**اسلامی قانون** کے مطابق معدنیات[1] میں بیت المال سرکاری کا پانچواں[2] حصہ حق ہے اور باقی مالک اراضی کا۔

اس نسبت کا مقابلہ ہی کیا دکھایا جاوے اور کہاں تک بحث کر کے اسلامی قانون کی فضیلت اور آسانی اور رعیت کے حق میں موجب آسائش و باعث فلاح ہونا

---

[1] المعدن جبار والبیر جبار وفی الرکاز الخمس (متفق علیہ وغیرہ)

[2] ایک گروہ علماء اس بات کا بھی قائل ہے۔ کہ معدنیات میں بیت المال سرکاری کا کوئی حق نہیں۔ اس مضمون پر بھی بعض احادیث وارد ہیں۔ اگر یہ مذہب کی رو سے بہت ہی آسانی تھی۔ مگر ہم نے جو مذہب نقل کیا ہے از روئے دلیل راجح ہے اور ہندوستان میں عام طور پر علماء کا پسندیدہ۔ ۱۲

ثابت کیا جاوے۔ عیاں راچہ بیاں

# قانون انتقال اراضی

گورنمنٹ نے زراعت پیشہ اقوام کی بے اعتدالیاں اور غیر معمولی اسرافات میں اراضی کی قدر نہ کرنا دیکھکر محض ازراہِ ترحم خسروانہ قانون انتقال اراضی جاری کیا ہے جس سے غرض صرف زمیندار اقوام کی حفاظت ہے کیونکہ گورنمنٹ کو بعد توجہ کامل اس امر کا یقین ہو گیا ہے کہ روزمرہ زراعت پیشہ اقوام کا زمینوں کو فروخت کرتے جانا صرف اسی وجہ سے ہے کہ زمینوں کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے پہلے زمانے کی طرح نہیں کہ اراضی اس قابل ہی نہ سمجھی جاتی تھی۔ کہ اس کو کوئی فروخت کرے یا خریدے۔ اس لیے دائرہ خرید و فروخت کو تنگ کرنیکی غرض سے گورنمنٹ نے قانون مذکور پاس کیا ہے جو کئی سال سے زیر تجویز تھا۔ جس کی ضروری دفعہ حسب ذیل ہے۔

۱۔ جو شخص اپنی اراضی کا دوامی انتقال کرنا چاہتا ہے وہ ایسے انتقال کرنے کا مجاز ہوگا۔ جہاں

(الف) انتقال کنندہ زراعت پیشہ قوم میں سے نہ ہو۔ یا

(ب) انتقال کنندہ زراعت پیشہ قوم میں سے ہو۔ اور منتقل الیہ اس موضع میں جہاں اراضی زیرِ انتقال واقع ہے بحیثیت زراعت پیشہ کے قابض ہو یا۔

ج:۔ انتقال زراعت پیشہ قوم میں سے ہو اور منتقل الیہ بھی اسی قوم میں سے ہو یا کسی اور قوم میں سے، ہو جو ایک ہی گروہ اقوام

کے اندر آتی ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ اگر ایک زراعت پیشہ شخص چاہے
کہ وہ اپنی اراضی کا دوامی انتقال کرے جو اس نے دفعہ شکمی (ب)
دفعہ ھذا کے بموجب حاصل کی ہے تو وہ اس قسم کے دوامی انتقال
کرنے کا زیر دفعہ شکمی بنا مجاز نہ ہوگا۔ بجز اس کے کہ منتقل الیہ زراعت
پیشہ قوم میں سے ہو یا ایسا شخص ہو جو بحیثیت زراعت پیشہ موضع
مذکور میں اراضی رکھتا ہو۔

(۲) سوائے ان صورتوں کے جو دفعہ شکمی (۱) دفعہ ھذا میں بیان ہوئی ہیں
کوئی دوامی انتقال اراضی بجز منظوری صاحب ڈپٹی کمشنر کے واقعہ نہ
ہوگا اور تاوقتیکہ منظوری حاصل نہ ہو۔ بطور انتقال دوامی مؤثر نہ
ہوگا۔ مگر جائز ہے کہ ایسی منظوری بعد اس کے بھی دی جائے۔
جبکہ عمل انتقال ہر طرح سے مکمل ہو چکا ہو۔

(۳) صاحب ڈپٹی کمشنر انتقال کے متعلق حالات دریافت کریں گے
اور ان کو اختیار ہوگا۔ کہ حسب اقتضائے رائے خود منظوری۔ جو
بموجب دفعہ شکمی (۲) مطلوب ہے۔ اس کو ادا کریں یا ادا کرنے
سے انکار کر دیں (دفعہ ۳۔ ایکٹ ۱۹۰۰ء)

**اسلامی شریعت** میں اس مسئلہ کے متعلق سیاسی طور پر تو حکم
نہیں۔ مگر مذہبی طور پر جو مسلمانوں کے حق میں سیاسی سے بڑھ کر ہے ہدایت
فرمائی ہے کہ جو کوئی جائداد[1] غیر منقولہ کو فروخت کر کے اسی قسم کی جائداد غیر منقولہ نہ
خریدیگا۔ خدا اس کے روپیہ میں برکت نہ کرے گا۔

جن دنوں انتقال اراضی پاس ہوا تھا۔ اور اس کا چرچا گھر بگھر ہو رہا تھا

[1] مشکوٰۃ

ایک روز میں ایک دعوت کی مجلس میں شریک تھا۔ اس مجلس میں بعض لوگوں نے اس قانون کو مفید بتلایا۔ تو میں نے کہا کہ میرے نزدیک یہ قانون بھی اسلام کی عظمت کا ایک بڑا بھاری ثبوت ہے۔ کیونکہ جو قانون گورنمنٹ کو اتنی مدت کی حکمرانی اور تجربہ کے بعد سوجھا ہے۔ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود ظاہری بے علمی اور ناتجربہ کاری کے اس کا اصول آج سے تیرہ سو برس پہلے ہی مقرر فرما دیا ہوا ہے رفداہ روحی) مگر تعجب ہے کہ ایسے مفید قانون کو گورنمنٹ نے مکمل نہیں کیا جس سے کسی حال میں بھی زمیندار انتقال اراضی نہ کر سکتے۔ دوئم کل ہندوستان میں نافذ نہیں کیا۔ بلکہ صرف پنجاب اور بمبئی ہی میں نافذ ہوا ہے[1]۔ سوئم پنجاب کے بعض بعض اضلاع[2] کو جنمیں مسلمانوں کی آبادی جو عموماً خوابیدہ بخت فضول خرچ ہیں بہ نسبتاً زیادہ ہے مستثنےٰ رکھا گیا ہے جس کی حکمت کی تہ تک پہنچنا مشکل ہے ؎

رموز سلطنت خویش خسرواں دانند

---

# خاتمہ متعلقہ فلاح و آسودگی رعایا

اس عنوان کے ذیل میں ہم اُن اخراجات پر بحث کریں گے جو گورنمنٹ کی اصطلاح میں رسوم عدالت وغیرہ سے موسوم ہیں:-

---

[1] بمبئی میں پاس ہونے کی خبر پہنچی ہے۔ نافذ ہونے کی ہنوز نہیں۔ ۱۲

[2] مثلاً شملہ۔ ہزارہ۔ پشاور۔ کوہاٹ، تحصیلات بنوں و مروت۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان کلاچی، ٹانک وغیرہ۔ ۱۲

اسلامی قانون میں نہ تو کوئی رسوم عدالت ہے۔ نہ کوئی رسوم رجسٹری عدالت کا طریقہ بالکل سادہ اور آسان ہے۔ کہ ہر ایک شخص قاضی کے مکان پر جاکر زبانی یا سادہ کاغذ پر لکھ کر اپنی عرضی گذارے۔ اگر گواہ ساتھ ہوں۔ تو پیش کرے نہیں تو تاریخ مقررہ پر ساتھ لاوے۔ اگر اس کے کہنے پر نہ آویں تو سرکار سے امداد بلا کسی رسوم کے ملیگی۔ ایسا ہی جس طرح اشیاء منقولہ کی خرید و فروخت بلا کسی صرف رجسٹری کے ہوتی ہے۔ جس طرح غیر منقولہ کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی تحریر کی ضرورت ہوتی تو آپس میں سادہ کاغذ پر بہ ثبت شہادت شاہدان بیعنامہ لکھا جائے گا۔ جس پر سرکار کی تصدیق کی کوئی حاجت نہیں۔ نہ ہی کوئی رسم ہے۔ اسیطرح ہر ایک شخص جو چاہے معاہدہ کر سکتا ہے۔ زبانی کرے یا تحریری کوئی رسوم نہیں۔ ایسے ہی جو شخص قبضہ کی چاہے رسید لکھدے کوئی فیس کورٹ رسوم سرکاری نہ ہوگا۔ صرف سادہ کاغذ ہی معتبر ہوگا۔ علی ھذا القیاس کسی طرح کی کوئی رسوم وغیرہ نہیں جو آج کل گورنمنٹ کے قانون کے مطابق دیجاتی ہیں۔

گورنمنٹ کے قانون میں رسوم بشرح ذیل ہیں:۔

دیوانی نالش میں ہر مبلغ پانچ روپیہ پر عموماً ۸ر فیس کورٹ ۸ر طلبانہ۔ مدعا علیہ طلبانہ گواہان۔ اجرت عرضی لکھائی وغیرہ علیحدہ۔ ہر نالش فوجداری پر ۸ر فیس کورٹ ۸ر طلبانہ مستغاث علیہ۔ طلبانہ گواہان علیحدہ ۲ر لکھائی وغیرہ۔ ہر تحریری معاہدہ پر ۸ر کا کاغذ مبلغ عہ سے زائد کی رسید پر ۱ر فیس کورٹ۔ رجسٹری جائداد غیر منقولہ پر فیصدی ایک روپیہ پھر اگر قبضہ کی بابت مقدمہ ہو تو مبلغ ۱۲ر سیکڑہ رسوم۔

حالانکہ اگر بغور دیکھا جاوے۔ تو رجسٹری پر سرکاری مہر کی حاجت اسی لئے ہے کہ تنازع کیوقت تکلیف نہ ہو۔ ورنہ کیا ضرورت ہے کہ لوگ آپس میں بیع

کریں۔ جنہیں ان کو کسی طرح سے تنازع اور فساد کا خطرہ بھی نہ ہو۔ اس پر بھی سرکار فی سینکڑہ ایک روپیہ ان سے لے اور جو عدالتوں میں مستورات اور کاروبار والوں کو آنے جانے سے حرج ہوتا ہے وہ الگ رہا۔ پہلے رجسٹری پر اگر رسوم لی جاتی اور بعد اس کے دعویٰ قبضہ بلا اخذ رسوم ہو سکتا تو بھی ایک بات تھی۔ گو اس پر بھی سوال ہوتا کہ جن لوگوں کو مقدمہ تک نوبت ہی نہ پہنچے۔ اُن سے فیس رجسٹری کیوں لی جائے۔ مگر لطف تو یہ ہے کہ پہلے بھی لی جاتی ہے اور پیچھے بھی۔ اسی طرح یہ ہے کہ دیوانی نالش میں سب جائز خرچہ مدعا علیہ پر ڈالا جاتا ہے۔ اور اگر عدالت ماتحت کی غلطی کی اپیل کی جاوے تو ماتحت عدالت کا خرچہ بھی فریق مغلوب پر جو پہلی عدالت کے حکم سے غلبہ پا چکا تھا۔ ڈالا جاتا ہے حالانکہ پہلے فیصلے کی غلطی عدالت سے ہوئی تھی۔ جس پر فریق مغلوب نے اپیل کی تھی۔ اور اگر ماتحت عدالت ایسا فیصلہ نہ دیتی تو کیوں اپیل تک نوبت پہنچتی چونکہ اخراجات کا بوجھ سب اہل مقدمہ پر پڑتا ہے اس لئے بسا اوقات مظلوم ایسی دادخواہی سے ہی سبکدوش رہتے ہیں۔ اور ملک میں ظلم کی کثرت ہوتی ہے اور جس کام کے لئے عدالت کی ضرورت تھی۔ اس کے لحاظ سے عدالت بیکار رہتی ہے اسلامی قانون نے ان خرابیوں کی جڑ ہی کاٹ ڈالی ہے۔ جن لوگوں کو عدالتوں سے کبھی تعلق ہوا ہوگا۔ وہ ہمارے بیان کی تصدیق تو کیا۔ اس کو بہت ہی کم سمجھیں گے۔ ہم نے بھی اس کو بطور مشتے نمونہ از خروار دانہ کے از بسیار ہی لکھا ہے:۔

ہم مانتے ہیں کہ سرکار کے اخراجات اتنے سے بھی پورے نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ کروڑہا روپیہ کا قرض لینا پڑتا ہے۔ لیکن بغور دیکھا جائے تو جس حد پر گورنمنٹ نے اخراجات کو پہنچایا ہوا ہے وہ فضول خرچی کی اعلیٰ

انتہار ہے اس لئے قابل تخفیف ہیں۔ مگر چونکہ تحقیقات کا ذکر ہمارے رسالے کے موضوع سے خارج ہے۔ اس لئے ہم بھی معذور ہیں۔ ہماری غرض جو اس رسالہ سے ہے وہ صرف یہی ہے کہ حکومتِ وقت کے کانوں تک یہ بات بڑے اخلاص اور نہایت ادب سے پہنچا دیں کہ اسلامی قانون بلحاظ آسائش رعایا اور فوائد سرکار ہر طرح سے اس قابل ہے۔ کہ گورنمنٹ اس کو اپنا دستور العمل بنا دے تاکہ دنیا پر نہ صرف یہی واضح ہو کہ گورنمنٹ اپنی رعایا کی بہی خواہ ہے۔ بلکہ یہ بھی معلوم ہو جائے۔ کہ گورنمنٹ سچائی اور مفید مشورہ کے قبول کرنے میں کسی قومی یا مذہبی تعصب کی پابند نہیں۔

ہم نے اپنا فرض منصبی الحمد للہ پورا کر دیا۔ اب قبول کرنا گورنمنٹ کا کام ہے ؎

حافظ! وظیفۂ تو دعا گفتن ست و بس
در بندِ آں مباش کہ نہ شنید یا شنید

★

# مُصنّف مرحُوم کی
# خود نوشت
# مُختصر سوانِح حیات

★

مولانا مرحوم کے سوانح حیات ایک طویل باب ہے جسے کسی خوش قسمت مؤرخ کا قلم ہی حیطہ تحریر میں لائیگا۔ ذیل میں مختصراً مولانا کے وہ حالات درج کئے جاتے ہیں جو انہوں نے خود رقام فرمائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

میری (ثناء اللہ کی) پیدائش امرت سر پنجاب کی ہے۔ میرے والد مسمی خضر جُو اور تایا مسمی اکرم جُو علاقہ ڈڈر تحصیل اسلام آباد ضلع سری نگر کشمیر سے پشمینہ کا کاروبار کرنے امرت سر آئے تھے۔ کشمیری اقوام میں ایک گوت منٹو کہلاتی ہے۔ جو وہاں برہمنوں کی ایک شاخ ہے۔ اسی گوت سے ان کا تعلق تھا۔ میری عمر ساتویں برس میں تھی کہ والد صاحب کا انتقال ہو گیا۔ تایا صاحب بھی فوت ہو گئے۔ بڑے بھائی ابراہیم مرحوم رفوگری کا کام کرتے تھے۔ مجھے بھی انہوں نے یہ کام سکھایا۔ چودھویں سال میں والدہ صاحبہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ چودھویں سال میں مجھے پڑھنے کا شوق ہوا۔ ابتدائی کتب فارسی پڑھکر مولانا مولوی احمد اللہ صاحب مرحوم رئیس امرتسر کے پاس پہنچا۔ دستکاری (رفوگری) کا کام بھی کرتا رہا۔ اور مرحوم سے سبق بھی پڑھا کرتا تھا۔ شرح جامی" اور "قطبی" تک مولوی صاحب مرحوم سے پڑھیں اس کے بعد بغرض تحصیل علم حدیث استاد پنجاب جناب مولانا حافظ عبد المنان صاحب وزیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہاں کتب درسیہ پڑھکر سند حاصل کی۔ یہ واقعہ ۱۳۰۷ھ مطابق ۱۸۸۹ء کا ہے۔ اس کے بعد شمس العلماء مولانا سید نذیر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سند مذکور دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ پھر سہارنپور چند روز قیام کر کے دیوبند پہنچا۔ وہاں کتب درسیہ معقول و منقول ہر قسم پڑھیں۔ کتب معقول میں قاضی مبارک۔ میر زاہد امور عامہ صدرا۔ شمس بازغہ وغیرہ اور منقولات میں ہدایہ۔ توضیح۔ تلویح۔ مسلم الثبوت وغیرہ۔ ریاضی میں شرح چغمینی وغیرہ بھی پڑھیں۔ اور دورہ حدیث میں شریک ہوا۔ استاد پنجاب کا درس حدیث اور اساتذہ دیوبند کا درس حدیث ان دو میں جو فرق ہے اس سے فائدہ اُٹھایا۔ دیوبند کی سند امتحان میرے لئے باعث فخر میرے پاس موجود ہے۔

**دیوبند کے بعد** دیوبند سے مدرسہ فیض عام کانپور گیا۔ کیونکہ ان دنوں مولانا احمد حسن مرحوم کے متعلق درس کا شہرہ بہت زیادہ تھا۔ اور مجھے بھی علوم معقول اور منقول سے خاص شغف تھا۔ اس لئے میں مدرسہ فیض عام کانپور میں جاکر داخل ہو گیا۔ وہاں جاکر میں کتب مقررہ میں شریک ہوا اور تلمذ کر کا لطف پایا۔ انہی دنوں مولانا مرحوم کو حدیث پڑھانے کا تازہ تازہ شوق ہوا تھا۔ میں ان کے درس حدیث میں بھی شریک ہوا۔ پنجاب میں مولانا حافظ عبدالمنان صاحب مرحوم (اہل حدیث مشرب) میرے شیخ الحدیث تھے۔ دیوبند میں مولانا محمود الحسن صاحب اور کانپور میں مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین استاد العلوم والحدیث میرے شیخ الحدیث تھے۔ اس لئے میں نے حدیث تینوں استادوں سے جو طرز تعلیم سیکھا وہ بالکل ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ جس کے ذکر کا یہ موقع نہیں۔ شعبان ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۲ء فیض عام کانپور کا جلسہ ہوا جس میں آٹھ طلباء کو دستار فضیلت اور سند تکمیل دی گئی۔ ان آٹھ میں سے ایک میں گمنام بھی تھا۔

**فراغت کے بعد** کانپور سے فارغ ہوتے ہی میں اپنے وطن پنجاب میں پہنچا۔ مدرسہ تائید الاسلام امرتسر میں کتب درسیہ نظامیہ کی تعلیم پر مامور ہوا۔ طبیعت میں تجسس زیادہ تھا اس لئے ادھر ادھر سے ماحول کے مذہبی حالات دریافت کرنے میں مشغول رہتا۔ میں نے دیکھا کہ اسلام کے سخت بلکہ سخت ترین مخالف عیسائی اور آریہ دو گروہ ہیں۔ انہی دنوں قریب میں ہی قادیانی تحریک پیدا ہو چکی تھی جس کا شہرہ ملک میں پھیل چکا تھا۔ مسلمانوں کی طرف سے اس دفاع کے علمبردار مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی مرحوم تھے۔ میری طبیعت طالب علمی ہی کے زمانہ میں مناظرات کی طرف بہت راغب تھی۔ اس لئے تدریس کے علاوہ میں ان تینوں گروہوں (عیسائی۔ آریہ۔ قادیانیوں) کے علم کلام اور کتب مذہبی کی طرف متوجہ رہا۔ بفضلہ تعالیٰ میں نے کافی واقفیت حاصل کر لی۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ ان تینوں مخاطبوں سے قادیانی مخاطب کا نمبر اول رہا۔ شاید اس لئے کہ قدرت کو منظور تھا کہ مولانا بٹالوی مرحوم کے بعد یہ خدمت میرے سپرد ہو گی جس کی بابت مولانا مرحوم کو علم ہوا ہو تو شاید یہ شعر پڑھتے ہوں گے ؎

آ کے سجادہ نشیں قیس ہوا میرے بعد — رہی خالی نہ کوئی دشت میں جا میرے بعد

اس شغل میں میں نے چند علماء سلف کی تصنیف سے خاص فوائد حاصل کئے۔ حدیث شریف میں قاضی شوکانی رح حافظ ابن حجر اور ابن قیم رح وغیرہم کی تصانیف سے۔ علم کلام میں امام بیہقی۔ امام غزالی اور حافظ ابن حزم۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی۔ حافظ ابن تیمیہ۔ شاہ ولی اللہ۔ امام رازی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف سے فائدہ اٹھایا

**تصانیف کی پہلی شاخ ردِّ عیسائیت** دورانِ تلاش میں سب سے پہلی قابلِ توجہ کتاب پادری ٹھاکر دت کی تصنیف "عدم ضرورت قرآن" نظر آئی جس کے جواب میں میں نے کتاب "تقابلِ ثلاثہ" (توریت، انجیل، قرآن کا مقابلہ) لکھی جو ملک میں شائع شدہ ہے۔ عیسائیوں کی کتاب عدم ضرورت قرآن کے جواب کے علاوہ میں نے متعدد کتابیں ان کے جواب میں لکھیں، جن کے مجموعے کا نام "جوابات نصاریٰ" ہے۔ سب سے اخیر عیسائیوں کے جواب میں وہ کتاب ہے۔ جس کا نام ہے۔ "اسلام اور مسیحیت" عیسائیوں کی طرف سے اسلام کے خلاف تین کتابیں بطرز جدید شائع ہوئی تھیں، جن کے نام یہ ہیں:۔

(۱) عالمگیر مذہب اسلام ہے یا مسیحیت۔ (۲) دین فطرت اسلام ہے یا مسیحیت۔

(۳) اصول البیان فی توضیح القرآن۔

ان تینوں کے جواب میں اسلام اور مسیحیت لکھی گئی۔ اور شائع ہوئی جس نے اسلامی جرائد سے خراج تحسین وصول کیا

**دوسری شاخ ردِّ آریہ** اسی اثناء میں آریوں نے کتاب ستیارتھ پرکاش کا اردو ترجمہ شائع کیا جس کے چودھویں باب میں قرآن مجید پر ایک سو انسٹھ اعتراض ہیں۔ ہر ایک اعتراض کے ضمن میں کئی کئی اعتراض ہیں۔ کتاب ستیارتھ کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو ضرورت محسوس ہوئی کہ اس کا مکمل جواب دیا جائے بحسب قول حافظ شیرازی رح ع "قرعہ فال بنام من دیوانہ زدند"

میں نے اس کے جواب میں کتاب "حق پرکاش" لکھی۔ جو بفضلہ تعالیٰ ایسی مقبول ہوئی کہ اس کے بعد کسی فرقہ کے کسی عالم نے ستیارتھ پرکاش کے جواب کیلئے قلم نہیں اٹھایا۔ ذالک من فضل اللہ۔ اس کے بعد ایک مسلم عبدالغفور نامی (نو آریہ دھرمپال) نے رسالہ "ترک اسلام" لکھا۔ اس کے شائع ہونے پر مسلمانوں کو بہت بےچینی ہوئی۔ میں نے فوراً اس کا جواب بنام "ترک اسلام" شائع کر دیا جس سے مسلمانوں کو اس قدر قلبی راحت حاصل ہوئی جتنی سی جون میں افطاری کے وقت روزہ دار کو ہوتی ہے (خدا قبول کرے)

اس کے بعد آریہ کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی جس کا نام "کتاب اللہ وید ہے یا قرآن" اس کے جواب میں مَیں نے کتاب الرحمان لکھی ابھی تھوڑا ہی زمانہ گزرا ہے کہ آریوں نے "رنگیلا رسول" کے نام سے ایک کتاب شائع کی۔ جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر سخت ناپاک حملے کئے گئے جس کی وجہ سے ملک میں اِس سرے سے اُس سرے تک آگ لگ گئی۔ مسلمان گویا متوالے پھرتے تھے کہ یہ کیا اندھیر ہے کہ ذات قدسی صفات پر ایسے حملے ہو رہے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کوئی عالم جواب نہیں دیتا۔ بقول ع

"بلائیں زلفِ جاناں کی اگر لیں گے تو ہم لیں گے"

اس کے جواب میں مَیں نے "مقدّس رسولؐ" لکھا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ بھی ایسا مقبول ہُوا کہ اس کے بعد کسی عالم نے رنگیلا کے جواب میں قلم نہیں اٹھایا۔ کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں سمجھی۔ نہ آریوں نے اس کا جواب الجواب دیا۔ ملک گجرات کے مسلمانوں نے گجراتی زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا ہے۔

اس ضمن میں آریوں کی طرف سے کئی ایک رسالے نکلے جن کے جوابات خاکسار کی طرف دیئے گئے جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔

**تیسری شاخ ردِّ مرزائیت** میری تصانیف کی جو قادیان کے متعلق ہیں۔ ان کی تفصیل لکھوں تو ناظرین کے ملال کا خطرہ ہے۔ اس لئے مختصر طور پر بتلاتا ہوں کہ قادیانی تحریک کے متعلق میری کتابیں اتنی ہیں کہ مجھے خود ان کا شمار یاد نہیں۔ ہاں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ جس شخص کے پاس یہ کتابیں موجود ہوں قادیانی مباحثہ میں اسے کافی واقفیت حاصل ہو سکتی ہے جس کا ثبوت خود مرزا صاحب بانیٔ تحریک قادیان کی اس تحریر سے ملتا ہے جو انہوں نے ۱۵ را پریل ۱۹۰۷ء کو شائع کی تھی۔ جس کا عنوان تھا۔

"مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ"

اس کے شروع میں میری نسبت جو خاص گلہ و شکایت کی گئی ہے وہ خصوصاً قابل دید و شنید ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا ہے "مولوی ثناء اللہ نے مجھے بہت بدنام کیا۔ میرے قلعہ کو گرانا چاہا" وغیرہ اس لئے میں دعا کرتا ہوں کہ ہم دونوں میں جو جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مر جائے۔

کوئی خاص وقت تھا جب یہ دعا ان کے منہ اور قلم سے نکلی اور قبولیت اسے لینے آئی۔ آج قادیان

کی بستی میں اِدھر اُدھر دیکھو تو رونق بہت پاؤ گے۔ مگر ایسی کہ دیکھنے والا اہل قادیاں کو مخاطب کر کے داغ مرحوم کا یہ شعر سنائے گا ؎

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں آج وہ خانہ خراب ہم کو بہت یاد آیا

(نوٹ) قادیانی لٹریچر کو جمع کرنے اور واقفیت حاصل کرنے میں مَیں نے بڑی محنت کی۔ جس کا یہ اثر ہُوا کہ ایک مجلس میں مولانا حبیب الرحمان مرحوم مہتمم مدرسہ دیوبند نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ ہم لوگ ۳۰ سال تک محنت کریں تو بھی اس بارے میں آپ کی واقفیت تک نہیں پہنچ سکتے۔ میں نے کہا غالباً آپ کی حسن ظنی اور تواضع ہے۔

**چوتھی شاخ تفسیر نویسی** یوں تو میری سب تصنیفات قرآن ہی کی خدمت میں ہیں۔ مگر خاص تفسیر نویسی سے بھی میں غافل نہیں رہا۔ روزانہ درس قرآن کے علاوہ پہلے میں نے تفسیر ثنائی غیر مسبوق طرز پر لکھی جو آٹھ جلدوں میں ختم ہو کر ملک میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد بلکہ ساتھ ساتھ "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" لکھی جس کی ملک میں خاص شہرت ہے۔ تیسری تفسیر موسومہ بیان الفرقان علیٰ علم البیان عربی لکھنی شروع کی جس کا ایک حصہ سورۂ بقر تک شائع ہو چکا ہے (باقی زیرِ غور ہے)

تفسیر کے متعلق چوتھی کتاب موسومہ تفسیر بالرائے لکھی۔ اس میں تفسیر بالرائے کے معنی بتا کر مروجہ تفاسیر و تراجم قرآن قادیانی، چکڑالوی، بریلوی اور شیعہ وغیرہ کی اغلاط پیش کر کے ان کی اصلاح کی گئی۔ اس کا بھی ایک حصہ چھپکر شائع ہو چکا ہے۔ باقی زیرِ غور ہے۔

مزید برآں اسلامی فرقوں شیعہ وغیرہ کے متعلق کئی ایک کتابیں لکھیں جو ملک میں شائع شدہ ہیں۔ اس کے علاوہ مناظرات کا سلسلہ بھی جاری رہا مجھے خود اس بات کا فخر ہے کہ میرے اساتذہ عظام بھی عظیم الشان جلسوں میں بڑے بڑے مناظرے میرے سپرد کرتے تھے۔ جن میں وہ خود بھی شریک ہوتے

---

لہ وائے افسوس! یہ سب ذخیرہ ۱۹۴۷ء کے فسادات کی نذر ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ مولانا کے اس کتاب خانے میں کس قدر نوادر جمع تھے۔ ماشاءاللہ کان وما لم یشاء لم یکن۔ (ناشر)

تھے۔ مثلاً مناظرہ دیوریہ ضلع گورکھپور۔ مناظرہ نگینہ ضلع بجنور۔ مناظرہ جبلپور۔ مناظرہ خورجہ۔ مناظرہ رامپور۔ یہ سب مناظرے تحریری ہوئے تھے۔ جن کی روئدادیں کتابوں کی صورت میں شائع ہوئی تھیں۔ مناظرہ رامپور نواب حامد علیخاں مرحوم کے حسب الحکم رامپور میں قادیانیوں سے ہوا تھا۔ جس کے متعلق نواب صاحب کا سرٹیفکیٹ درج ذیل ہے۔

"رامپور میں قادیانی صاحبوں سے مناظرہ کے وقت مولوی ابوالوفا محمد ثناء اللہ صاحب کی گفتگو ہم نے سنی۔ مولوی صاحب نہایت فصیح البیان ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ برجستہ کلام کرتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تقریر میں جس امر کی تمہید کی۔ اُسے بدلائل ثابت کیا۔ ہم ان کے بیان سے محظوظ و مسرور ہوئے۔"

(دستخط خاص حضور نواب صاحب بہادر۔ محمد حامد علیخاں)

**اخبار "اہل حدیث" کا اجراء** } جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روزمرہ بڑھتی نظر آئی اور تصنیف کتب کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبار "اہلحدیث" جاری کیا گیا جو بفضلہ تعالیٰ آج تک جاری ہے جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی ہے۔ ہر غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔ خدا کے فضل سے آج یہ اخبار اپنی عمر کے اڑتیس سال پورے کر کے انتالیسویں سال میں قدم زن ہے۔ اخبار "اہلحدیث" کے دیکھنے والوں سے مخفی نہ ہوگا کہ یہ پرچہ کس قدر اسلامی خدمت کر رہا ہے۔ مختصر یہ ہے کہ جو کچھ علمی خدمت خاکسار کی طرف سے ہوئی یہ سلف صالحین کی کتب سے فائدہ حاصل کرنے سے ہوئی جن کے اسماء گرامی پہلے ذکر کئے گئے ہیں۔

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن ❊ خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اللّٰھم نور مرقدھم وارض عنھم وارضھم    (اہلحدیث امرتسر ۲۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

یہاں تک آپ کے خود نوشت حالات ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ اگر چند سطور مزید تحریر کر دی جائیں۔

**ژرف نگاہی** } مولانا کی ژرف نگاہی مسلّم تھی۔ اسلام پر یا مسلک اہلحدیث پر جب بھی اور جس طرف سے بھی (اندر سے یا باہر سے) حملہ ہوتا سینہ سپر ہو جاتے تھے۔ مخالفین کے ارادوں کو تاڑ جاتے۔ حملہ آور کو بھانپ لیتے۔

منکرین حدیث کے فتنے کو ابتداہی میں آپ نے بھانپ لیا تھا کہ اس کے یہ برگ و بار ہوں گے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ فتنہ پرویزی کا ایک بڑا ماخذ اور منبع مولوی محب الحق اور پروفیسر اسلم جے راجپوری

کی تصانیف ہیں۔ ان سب کے جواب مولانا مرحوم کے قلم سے شائع ہو چکے ہیں۔

علامہ عنایت اللہ خاں امرتسری (مشرقی) کی تصانیف سے اس کے عقاید و اعمال کو کتاب "خاکساری تحریک" میں عریاں کر کے رکھ دیا۔

احناف کی دونوں شاخوں یعنی دیوبندی اور بریلوی حضرات نے جب بھی مسلک اہلحدیث پر تنقید کی تو فوراً قلم تھاما اور جواب لکھدیا۔ جس کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ فرقہ غالیہ (بریلویہ) نے تنگ آکر ۱۹۳۸ء میں مولانا پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچا لیا (جس کی تفصیل رسالہ شمع توحید میں ہے)

**مسلمانوں میں اتحاد کا جذبہ** } لیکن آپ وسیع المشرب تھے۔ دل سے چاہتے تھے۔ کہ سب مسلمان اپنے اختلافات کو اپنے حدود میں رکھیں اور مشترک مقاصد میں مل کر کام کریں۔ اس سلسلے میں آپ ندوۃ العلماء کی تحریک کے رکن تھے۔

**جذبۂ جہاد اور سیاسی مسلک** } ہندوستان میں اسلامی نظام کے قیام اور اس سلسلے میں جذبۂ جہاد کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ آپ کا دل لگاؤ اور ہمدردی ہمیشہ مجاہدین اسمس و چمرقند سے رہی اور اندرونِ ہند میں اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے۔ کہ آپ بمعیت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی (رحمہ اللہ) و مولانا [illegible] داؤد غزنوی (مدظلہ العالی) صدر مرکزی جمعیۃ اہل حدیث مغربی پاکستان، جمعیۃ علمائے ہند کے [illegible] بانیوں میں سے تھے۔ اور جمعیۃ علماء ہند کی مساعی قیام نظام شرعی و آزادی ہند میں نظریۃً آخر تک اس سے وابستہ رہے۔

**فسادات ۱۹۴۷ء** } اگست ۱۹۴۷ء کے ہنگامۂ خونیں میں آپ کا اکلوتا لختِ جگر مولانا عطاء اللہ شہادت کے رتبہ پر فائز ہو گیا۔ اور آپ امرتسر سے گوجرانوالہ تشریف لے آئے۔ یہاں آپ کے ورع کا یہ حال تھا۔ کہ لوٹ مار کے مال کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔ بلکہ جب کوئی چیز آتی تو اس بات کے کامل اطمینان کرنے کے بعد سے قبول فرماتے کہ غیر مسلموں کا مال نہیں ہے۔ بلکہ ہندوستانہ دیہ ہے چند ماہ بعد سرگودھا منتقل ہو گئے۔ اور اسی سرزمین میں یہ مجاہد جرنیل ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کو واصل بحق ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم تغمدہ برحمتک التی وسعت کل شیئ۔ آپ کے پوتے

(مولانا عطاء اللہ شہید کے صاحبزادے) آپ کی جسمانی یادگار موجود ہیں۔ جو سرگودھا میں قیام پذیر ہیں۔ وفقہم اللہ لما یحبہ ویرضاہ۔

آخر میں ہم اخبار "ندائے مدینہ" کے "شیخ الاسلام نمبر" کا وہ اقتباس قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو مولانا مرحوم کے بارے میں اس نے لکھا:۔

اگر پورے دنیائے اسلام کے اکابر علماء کسی ایک مجلس علمی میں جمع ہوں اور بیک وقت عیسائیوں، آریوں، سناتن دھرمیوں، ملحدوں، نیچریوں، قادیانیوں، شیعوں، منکرین حدیث، چکڑالویوں، بریلویوں، دیوبندی سے غرض ہر فرقے سے ایک ایک گھنٹہ مسلسل تو گھنٹے بحث و مذاکرہ کی نوبت آئے۔ تو عالم اسلام کی طرف سے کون کون ہستیاں ہونگی۔ مجھے معلوم نہیں۔ لیکن پاکستان و ہندوستان، برما اور لنکا۔ جزیرہ جاوا سماٹرا کی طرف سے صرف ایک ہستی پیش ہو سکتی اور وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی تھی۔ آج ان کی رحلت کے بعد ہندوستان و پاکستان کی یہ سربلندی شاید باقی نہیں رہی۔ ان کے جاتے ہی بازار علمی کی یہ صدر نشینی بھی شاید اب ختم ہو گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ؎

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

۲۵ جمادی الاول ۱۳۶۷ھ (ناشر)



المکتبۃ الرحمانیۃ
۹۹۔ ... بے ماڈل ٹاؤن۔ لاہور
طبع ..... (ثنائی برقی پریس سرگودھا)